فقہی، فکری و اصلاحی مکالمات

فقہی، فکری و اِصلاحی

مُکَالَمَات

تقریظ :

خادمِ کتاب وسنت، حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم

رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار

کلماتِ تحسین :

حضرت مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی

ناظم تعلیمات و معتمد جامعہ

تصنیف وتالیف :

مفتی محمد جعفر ملی رحمانی

صدر دارالافتاء جامعہ اکل کوا

ناشر:

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندربار، مہاراشٹر، ۴۲۵۴۱۵

تقسیم کار

جملہ حقوق محفوظ ہیں!

نام کتاب	:	فقہی فکری واصلاحی مکالمات
مصنف	:	حضرت مولانا مفتی محمد جعفر صاحب ملی رحمانی
کمپیوٹر کتابت وترتیب	:	عبدالمتین اشاعتی کانڑگانوی
طبع اول	:	۱۴۳۸ھ ۲۰۱۷ء
صفحات	:	۲۱۸
قیمت	:	
باہتمام	:	ابوحمزہ وستانوی
ناشر	:	جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا

ملنے کا پتہ

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندربار مہاراشٹر

Phone & Fax: 02567,252556

E-mail jafarmilly@gmail.com

fatawaakkalkuwa@gmail.com

http://jamiyaakkalkuwa.com/fatawa/

فہرست عناوین

صفحہ	فہرست عناوین	نمبر شمار
۴	ابتدائیہ:.........................مفتی محمد جعفر ملی رحمانی	۞
۷	تقریظ:......رئیس جامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی	۞
۸	کلماتِ تحسین:......حضرت مولانا محمد حذیفہ صاحب وستانوی	۞
۱۱	مُکالمہ:......اُصولِ حفظانِ صحت و مال اور اُن کی خلاف ورزی	۱
۲۳	مُکالمہ:......عقدِ شرکت میں ہونے والا نقصان	۲
۳۷	مُکالمہ:......دینی وعصری علوم	۳
۵۱	مکالمہ:...... بندوں کے حقوق	۴
۸۱	مُکالمہ:......مشترکہ کاروبار میں جھگڑا، اور اُس کا حل!	۵
۹۰	مُکالمہ:......کیسے حاصل ہو زندگی کا سکون؟!	۶
۱۰۴	مُکالمہ:......سود کی تباہ کاریاں	۷
۱۲۷	مکالمہ: سماج ومعاشرے میں پنپتے جرائم اور اُن کا انسداد (قسط اول)	۸
۱۵۹	مکالمہ: سماج ومعاشرے میں پنپتے جرائم اور اُن کا انسداد (قسط دوم)	۹
۱۷۵	مکالمہ:......ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت	۱۰
۱۹۷	مکالمہ:......شخصی ومذہبی آزادی اور معاملات کی صفائی	۱۱

ابتدائیہ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی آلہ الطیبین الطاہرین، ومن تبعهم بإحسان إلی یوم الدین، أما بعد! قال اللہ تبارك وتعالی:

فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم!

﴿یا أیها الرسول بلغ ما أُنزل الیك من ربك، وإن لم تفعل فما بلغت رسالته، واللہ یعصمك من الناس ان اللہ لا یهدي القوم الکفرین﴾ - (سورۃ المائدۃ:٦٧)

قال رسول اللہ ﷺ: " ألا! فلیُبلّغ الشاهد الغائب، فرب مبلّغ أوعی من سامع " - (صحیح البخاري ص/٣٠٧، کتاب الحج، ط: دار احیاء التراث بیروت)

محترم قارئین کرام! قرآن وحدیث کا علم رکھنے والوں پر فرض ہے کہ وہ اس علم کو عام سے عام تر کریں، اور ہمہ وقت اس کوشش میں لگے رہیں کہ کسی بھی طرح یہ علم ہر کس وناکس کے پاس پہنچ جائے، اور اس کی زندگی تعلیماتِ اسلام کے مطابق بن جائے، اس لیے کہ دینِ اسلام کا مقصود " إخلاء العالَم عن الفساد " (یعنی پوری دنیا کو فساد وبگاڑ سے صاف کرنا) ہے، اور یہ اُسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ فساد کی جگہ صلاح لے لے، بدی کی جگہ نیکی لے لے، شر کی جگہ خیر لے لے، بدعات ورسومات کی جگہ سُنن لے لیں، خاندانی وقبائلی روایتوں کی جگہ روایاتِ مصطفیٰ لے لیں، اور یہ اس وقت ہوگا جب حضراتِ علمائے کرام تبلیغِ دین اور اس کی ترویج کے لیے اپنے دلوں میں نبوی کُڑھن وتڑپ کو پیدا کریں گے، اور اسے اپنی زندگی کا مشن قرار دیں گے، کیوں کہ یہ کام عارضی ووقتی نہیں بلکہ دائمی واَبدی ہے، عبوری وسطحی نہیں بلکہ گہری فکر ومنصوبہ بندی کا متقاضی ہے، اس کے بغیر طبقۂ علماء، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد:- " ألا! فلیُبلّغِ الشَّاهدُ الغَائبَ "- سے ثابت فرض سے سبک دوش نہیں ہوسکتا۔

الحمد للہ! حضراتِ علمائے کرام نے اپنے اس فرض کی انجام دہی کے لیے مختلف طریقے اپنا

رکھے ہیں، کوئی درس وتدریس میں مشغول ہے، تو کوئی وعظ وتقریر میں منہمک، کوئی تصنیف وتالیف میں لگا ہے، تو کوئی ارشاد وسلوک میں مصروف۔ الغرض! ہر عالمِ دین اپنے اس فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے حتی المقدور کوشش کر رہا ہے۔ اللہ پاک ان تمام کوششوں کو قبول فرمائے، اور دنیا وآخرت میں اس کے ثمراتِ حسنہ سے مالا مال فرمائے۔ آمین!

تبلیغِ دین جب مقصود ہے، تو اس کے لیے دین کے دائرے میں رہتے ہوئے جتنے جائز ومباح وسائل ہوسکتے ہیں، انہیں اختیار کرنا، نہ صرف جائز بلکہ وہ بھی مقصود ہوں گے، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: " إِنَّ الْوَسِيْلَةَ أَوِ الذَّرِيْعَةَ تَكُوْنُ وَاجِبَةً إِذَا كَانَ الْمَقْصَدُ وَاجِبًا " - نیز: " حُكْمُ الْوَسَائِلِ حُكْمُ الْمَقَاصِدِ " - اِسی زاویۂ فکر کو لے کر، مفکرِ قوم وملت، خادمِ کتاب وسنت، حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم نے، اِس حقیر کو اس بات کا مکلّف کیا کہ ہر سال، سالانہ اجلاس کے موقع پر آپ (دار الافتاء) کی طرف سے ایک ایسا علمی، فقہی، فکری اور اصلاحی مُکالمہ آنا چاہیے، جو معاشرے میں موجود برائیوں کو اُجاگر کرتا ہو، اور شرعی اُصولوں کی روشنی میں ان کا حل بھی پیش کیا گیا ہو، اس لیے کہ مکالموں کے ذریعے، دینی مضامین وہدایات بڑی آسانی سے لوگوں تک پہنچائی جاسکتی ہیں، کہ مکالموں میں اُن کی دل چسپی پائی جاتی ہے۔

آپ دامت برکاتہم کے اس امرِ عالی کے بعد سے اب تک تقریباً گیارہ مُکالمے پیش کیے جاچکے ہیں، ہر طبقے کے لوگوں سے اُنہیں خوب پذیرائی حاصل ہوئی، اور خود حضرت والا دامت برکاتہم نے نہ صرف ان کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا، بلکہ بہت زیادہ حوصلہ افزا کلمات سے بھی نوازا۔ فجزاهم الله خير الجزاء!

جامعہ کا تعلیمی مِشن چوں کہ پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، اور ہر بڑے مرکز میں تعلیمی سال کے اختتام پر بڑے بڑے اجلاس ہوتے ہیں، جن سے اطراف واکناف کے لوگوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے، حضرت دامت برکاتہم کی یہ فکر ہے کہ اِن جلسوں میں جہاں بڑے علمائے کرام کے وعظ ونصیحتیں ہوں، وہیں پُر مغز ودل چسپ، علمی اور اِصلاحی مُکالمے بھی پیش کیے جائیں، تاکہ دینی واصلاحی باتیں بآسانی عوام الناس کے دلوں تک پہنچائی جاسکیں، اور ان جلسوں کی اِفادیت دوبالا ہوجائے۔

آپ کی اسی فکر کے احترام میں نظماء وفضلائے مراکز- ’’دارالافتاء‘‘ سے رُجوع کر کے، اُس کے پیش کردہ مکالموں کی نقول حاصل کرتے ہیں، اور اپنے اپنے علاقوں کے جلسوں میں انہیں پیش کرتے ہیں، اس لیے ناظمِ تعلیمات ومعتمد جامعہ، محترم مولانا حذیفہ صاحب وستانوی زید مجدہٗ وفضلہٗ نے فرمایا کہ بہتر ہے یہ تمام مکالمات کتابی شکل میں آجائیں، تا کہ طالبین کے لیے اُن کا حصول آسان ہو، اور اُن کی اِفادیت بھی عام ہوجائے۔آپ محترم کے اسی ارشاد کی تعمیل میں عزیزم مفتی عبدالمتین سلمہٗ نے ان تمام مکالمات کو جمع فرمایا، اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انہیں کتابی شکل دی، فزادہ اللّٰہ علمًا وشرفًا!

اس کتاب میں گیارہ مکالمے بعنوان؛

(۱)اصولِ حفظانِ صحت ومال کی خلاف ورزی، (۲)نقصان درعقدِ شرکت، (۳)علومِ دینیہ وعصریہ، (۴)حقوق العباد، (۵)مشترکہ کاروبار کا جھگڑا اور اُس کا حل، (۶) کیسے حاصل ہو زندگی کا سکون؟ (۷) سود کی تباہ کاریاں، (۸) معاشرے میں پنپتے جرائم اور اُن کا انسِداد، [قسط اول]، (۹)معاشرے میں پنپتے جرائم اور اُن کا انسِداد، [قسط دوم]، (۱۰)ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت، (۱۱)شخصی ومذہبی آزادی اور معاملات کی صفائی۔

......موجود ہیں، جن کی افادیت واہمیت، ان کے عناوین ہی سے معلوم ہوجاتی ہے۔

اللہ پاک سے سے دعا گو ہوں کہ وہ اس حقیر خدمتِ دین کو قبول فرما کر، اپنی رضا نصیب فرمائے، اور آخرت میں اِسے اپنی نجات کا ذریعہ بنائے۔آمین!

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا وحبیبنا وشفیعنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم! والحمد للّٰہ رب العالمین!

///

محمد جعفر ملی رحمانی

۲۰/صفر المظفر ۱۴۳۸ھ

تقریظ

(حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم، رئیس جامعہ اکل کوا)

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا ! مدارسِ دینیہ کے سالانہ جلسے ایک اصلاحی پروگرام کے تحت منعقد کیے جاتے ہیں، اور اس میں حاضرین کے سامنے مدارس کی کارکردگی پیش کرنا بھی ایک مقصد ہوتا ہے، الحمد للہ! ہندوستان کے مدارس اور اُن کے کارہائے نمایاں سے سبھی لوگ واقف ہیں، مدارس میں ایک ادارہ، ایک مدرسہ، ایک جامعہ؛ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا بھی ہے، جس کی بنیاد سن ۱۴۰۰ھ میں ایک چھوٹی شکل میں رکھی گئی تھی، اور عام مدارس کے جلسوں کی طرح اس کا بھی سالانہ جلسہ ہوتا آیا ہے، جامعہ میں شعبۂ عالمیت کے بعد دار الافتاء کا قیام سن ۱۴۲۸ھ میں عمل میں آیا، سالانہ جلسے میں جہاں اور پروگرام ہوتے ہیں، وہیں میرے دل میں یہ بات آئی کہ عوام کے سامنے ایسے مکالمے اور محاکمے پیش کیے جائیں، جو حالاتِ حاضرہ پر منطبق ہوتے ہوں، اور سامعین کو ایک علمی، فکری اور اصلاحی مواد بھی فراہم کرتے ہیں، ایسے مکالموں کے لیے میں نے دار الافتاء کے مسئول و ذمہ دار، عزیزم مفتی محمد جعفر صاحب سے درخواست کی کہ آپ دار الافتاء کے طلبہ کو ایسے مکالمے دیں، جس میں وہ عوام کو حالاتِ حاضرہ پر دینی معلومات پیش کریں، تاکہ آنے والا طبقہ سالانہ جلسے سے ایک مضبوط و مفید اور اصلاحی وفکری پیغام لے کر جائے، الحمد للہ! مفتی صاحب نے دار الافتاء کے پہلے سال سے ہی یہ سلسلہ آج تک جاری رکھا، اور عوام وخواص سبھی نے ان مکالمات ومحاکمات کو نہ صرف داد دی، بلکہ اُن کی بہت زیادہ تحسین و پذیرائی بھی کی۔ آج الحمد للہ! یہ کتابی شکل میں آپ کے ہاتھوں میں ہے، یہ جہاں مکالمے ہیں وہیں ایک دینی، علمی، فقہی، فکری اور اصلاحی دستاویز بھی ہیں، مدارس کے لیے خصوصاً، اور سبھی کے لیے عموماً ایک علمی سرمایہ ہے۔ دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ان کی اِس کاوش کو قبول فرمائے، اور عوام وخواص سب کے لیے اس کو نافع بنائے۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

۱۴۳۸/۲/۲۸ھ

کلماتِ تحسین

(حضرت مولانا حذیفہ وستانوی صاحب حفظہ اللہ ورعاہ؛ ناظم تعلیمات ومعتمد جامعہ اکل کوا)

زبان وقلم انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، اور یہ دونعمتیں جب اللہ تعالیٰ کسی عالم، فاضل ومفتی کوعطا فرمادے، اور خلوص سے بھی نوازدے، تو نورٌ علیٰ نور، اور سونے پر سہاگہ کی صورت اختیار کرلیتا ہے، آپ قارئین کی خدمت میں اس وقت جوتحریری کاوش، تحقیق اور علمی لبادہ سے مزین کتاب ہے، وہ میرے استاذ محترم رفیق تدریس حضرت مولانا مفتی محمد جعفر صاحب مدظلہ العالی کی ہے، اللہ رب العزت نے واقعۃً مفتی صاحب کوعلمی ذوق سے نوازا ہے، احقر بچپن ہی سے آپ سے واقف ہی نہیں بلکہ والہانہ تعلق رکھتا ہے، ابتدائی نحو وصرف کی متعدد کتابیں، اس کے بعد درجاتِ عالیہ میں فقہ اور اصولِ فقہ کی بیشتر کتابیں مفتی صاحب سے کسبِ فیض کرچکا ہے، آپ کا درس بہت ہی مؤثر ہوتا تھا، سمجھانے کا انداز بڑا نرالا اور طبیعت میں ظرافت اس پر مستزاد۔آج بھی آپ کا درس طلبہ میں بہت مقبول ہے، اللہ حضرت کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، کہ آپ جیسے اساتذہ کی محنت، توجہ، دعاؤں اور عنایتوں سے ٹوٹی پھوٹی کچھ تھوڑی سی صلاحیت بنی، اور کچھ لکھنے پڑھنے کا ذوق بنا۔میرے استاذ ہونے کے ناطے میں نے بہت معذرت کی، مگر مفتی صاحب نے اصرار کیا، تو حکم کی تعمیل میں چند سطریں لکھنے پر مجبور ہوں۔

مفتی صاحب سے بندے کو شاگردی کے ساتھ ساتھ بے تکلفانہ تعلقات بھی ہیں، تو میں ہمیشہ آپ سے کہتا رہتا ہوں کہ ''محقق ومدلل'' آپ کا نشانِ امتیاز اور سیمبول ہوگیا، اس لیے کہ ماشاء اللہ آپ کی قلمی کاوشیں تحقیق کے بلند معیار کی حامل ہوتی ہیں، آپ نے جامعہ کے دارالافتاء کی ذمہ داری شروع سے ہی سنبھالی اور اس کا حق ادا کردیا، ''مسائل مہمہ'' نے علمی حلقے میں خاص طور پر افتاء اور فقہ کے شائقین کے لیے گویا عمدہ مواد فراہم کردیا، اور قلیل مدت میں اس کے متعدد ایڈیشن طبع ہوچکے ہیں، مختلف زبانوں میں اس کے تراجم کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا، ایک صاحب فارسی میں ترجمہ کررہے ہیں، جامعہ کے ایک آسامی طالبِ علم نے فون پر اطلاع دی کہ میں نے اس کا

آسامی زبان میں ترجمہ کرلیا ہے، اسی طرح ’’محقق ومدلل جدید مسائل‘‘ کی دوجلدیں اور ’’کرسی پر نماز‘‘ کا مسئلہ، ’’ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت‘‘ کا مسئلہ ’’قربانی کے مسائل‘‘، غرضیکہ مذکورہ تمام کتابیں دلائل سے آراستہ وپیراستہ ہیں، اور علما وطلبہ میں بڑی مقبول ہیں، آپ کی لکھی گئی کتابوں کی خصوصیت یہ ہے کہ مسائلِ فقہیہ پر حتی المقدور قرآنی آیات، اس کے بعد احادیثِ نبویہ اور پھر تائید کے لیے فقہاء کی عبارتوں سے استدلال کی بھرپور کوشش کارفرما ہوتی ہے۔

مفتی صاحب کے علمی ذوق کے پروان چڑھنے میں فقیہ الہند حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی نور اللہ مرقدہٗ کی صحبت اور خاص توجہات کا بھی اہم رول ہے، آپ ہی نے مفتی صاحب کو والد صاحب کے مطالبے پر جامعہ میں خدمتِ تدریس کے لیے اِرسال کیا تھا۔

مفتی صاحب ہر سال جامعہ کے سالانہ جلسے کے لیے والد محترم کے اِیما پر ’’مُکالمات‘‘ مرتب فرماتے ہیں، اور یہ مکالمات خالص علمی اسلوب وپیرائے میں اور بالکل عدالتی طرز پر ہوتے ہیں، جن میں علمی اسلوب کے ساتھ ساتھ عصرِ حاضر کے ایسے مسائل سے تعرض کیا جاتا ہے، جس میں امت کا ابتلا ہے، امت کو ان مسائل سے واقف کراکر، اس کے سامنے اسلامی شریعت کی روشنی میں اس کا صحیح حل پیش کیا جاتا ہے۔ والد محترم (رئیس جامعہ) بھی بڑی دل چسپی سے انہیں سنتے ہیں، اور جلسے سے قبل اہتمام کے ساتھ بار بار دریافت فرماتے رہتے ہیں کہ مفتی صاحب نے مکالمہ تیار کیا یا نہیں؟ اور جب جلسے میں پیش کیا جاتا ہے، تو لوگ بہت دل چسپی سے ہمہ تن گوش ہوکر اس کو سنتے ہیں، آج انہی ’’فقہی ،فکری واصلاحی مکالمات‘‘ کو کتابی شکل میں پیش کیا جارہا ہے، یقیناً ان کی طباعت امت کے لیے ایک قیمتی تحفے سے کم نہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی محنتوں کو شرفِ قبولیت سے نوازے، امت کو آپ کے علم سے خوب نفع پہنچائے، اور آپ کو مزید زورِ قلم عطا فرمائے، اور آخرت کے لیے ذخیرہ بنائے، اور امت کو اس کی قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

حذیفہ وستانوی

۷؍ربیع الاول، ۱۴۳۸ھ

﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾

(القرآن)

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ (القرآن)

(۱)

مُکالَمہ بابت

اُصولِ حفظانِ صحت ومال اوراُن کی خلاف ورزی

کردار:

......ترجمان:

......پیش کار:

...... پولیس اہل کار:

......مجرم:

......وکیلِ استغاثہ:

......وکیلِ دفاع:

......جج صاحب:

مقدمہ

قانون نافذ کرنے والی ایجنسی کے افراد......ایک ایسے شخص کو گرفتار کر کے عدالت میں پیش کریں، جس کا یہ جرم ہو کہ وہ مقاماتِ عامہ بیڑی، سگریٹ، گٹکھا، وغیرہ استعمال کرر ہاتھا، حکومتی اہل کاروں نے اسے گرفتار کر کے اس کے خلاف، مقاصدِ شرعیہ دفعہ ۲/ ؛ بابت حفاظتِ نفس، دفعہ ۴/ ؛ بابت حفاظتِ مال، اور دفعہ ۵/ ؛ بابت حفاظتِ عقل، کی خلاف ورزی کا مقدمہ دائر کیا۔

عدالت نے مقدمہ کے سماعت کی، تاریخ ۵/ رجب المرجب طے کی، جس میں ملزم اپنے وکیلِ دفاع کے ساتھ، ۵/ تاریخ کو حاضر ہوگا۔

(پیش کار متعینہ تاریخ پر ملزم کو اس کے وکیل کے ساتھ عدالت میں پیش کرتا ہے۔)

پیش کار (آواز لگاتا ہے): ملزم نمبر ایک حاضر ہو!!

جج (وکیلِ دفاع سے):

آپ کے مؤکل کے خلاف دفعہ ۲، اور دفعہ ۴/۵ کی خلاف ورزی کا مقدمہ دائر کیا گیا ہے، کیا آپ ان کے دفاع میں کچھ کہنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: معزز جج صاحب!

میرے مؤکل کے خلاف، مقدمہ میں جس چیز کو جرم قرار دیا گیا ہے، وہ حقیقۃً جرم ہے ہی نہیں، کیوں کہ بیڑی، سگریٹ، تمباکو وغیرہ کی حرمت پر کوئی دلیلِ شرعی موجود نہیں ہے، بلکہ ان چیزوں کا استعمال جائز اور مباح ہے، اور اب میں اس کے جواز و اباحت پر اپنی دلائل پیش کرر ہا ہوں، امید کہ بغور سماعت فرمائیں گے،

تا کہ طالبِ انصاف کو انصاف مل جائے۔

دلیل(۱): ارشادِ باری تعالیٰ ہے:﴿هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ . ''وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا سب۔'' (سورة البقره:۲۹)

دلیل (۲): نیز خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد:﴿قُلْ لَآ اَجِدُ فِيْمَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗ﴾ . ''آپ کہہ دیجئے: مجھ پر جو وحی آئی ہے، اس میں تو میں (اور) کچھ نہیں حرام پاتا، کسی کھانے والے کے لیے جو اسے کھائے۔'' (سورة الأنعام:۱۴۵)

دلیل(۳): اسی طرح یہ فرمان:﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ﴾ . ''اور اپنی زبان کے جھوٹ بنا لینے سے یہ مت کہہ دیا کرو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام۔'' (سورة النحل:۱۱۶)

دلیل(۴): اور اُس کا یہ فرمان:﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ . ''آپ کہئے: اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے بنائی ہے، کس نے حرام کر دیا ہے، اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو؟'' (سورة الأعراف:۲۲)

یہ تمام آیتیں اس بات پر شاہد ہیں کہ بیڑی، سگریٹ، گٹکھا اور تمباکو وغیرہ حرام وممنوع نہیں ہیں، اب میں احادیثِ مبارکہ سے بیڑی، سگریٹ اور گٹکھا وغیرہ کے جواز پر دلائل کا آغاز کر رہا ہوں:

دلیل (۱): فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے:" اَلْحَلالُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ ، وَالْحَرَامُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فِيْ كِتَابِهٖ وَمَا سَكَتَ عَنْهُ فَهُوَ عَفْوٌ" ."حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال ٹھہرایا، اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام قرار دیا، اور جس کے متعلق کتاب اللہ خاموش ہے، وہ معاف ہے۔" (سنن الكبرى للبيهقي: ۱۰/۲۱، رقم: ۱۹۷۲۳)

دلیل (۲): حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے:

" إِنَّ اللّٰهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلاَ تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّ حُدُوْدًا فَلاَ تَعْتَدُوْهَا، وَنَهٰى عَنْ أَشْيَاءَ فَلاَ تَنْتَهِكُوْهَا ، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ – رُخْصَةً لَكُمْ ، لَيْسَ بِنِسْيَانٍ ، فَلاَ تَبْحَثُوْا عَنْهَا " . "بلاشبہ اللہ نے چند فرائض مقرر کیے، تم ان کو ضائع نہ کرو، اور کچھ حدود مقرر کی ہیں، پس تم ان سے عدول نہ کرو، اور کچھ اشیاء سے منع کیا ہے، تم ان کی بے حرمتی نہ کرو، اور کچھ چیزوں کے متعلق سکوت اختیار فرمایا ہے، تمہارے لیے (ان چیزوں میں) رخصت ہے، اس کو کوئی نسیان نہیں ہے، لہٰذا تم اس کے بارے میں بحث وتفتیش میں نہ پڑو۔"

(سنن الکبری للبیہقی: ۱۰/۲۱، رقم: ۱۹۷۲۵)

اِن دونوں حدیثوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بیڑی، سگریٹ، تمباکو اور گٹکھا وغیرہ کا استعمال جائز اور مباح ہے۔

علاوہ ازیں عباراتِ فقہیہ میں بھی اس کی حرمت پر کوئی صراحت نہیں ہے:

دلیل (۱): جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: عبد الغنی النابلسی رحمہ اللہ

فرماتے ہیں:" فَالَّذِي يَنْبَغِي لِلْإِنْسَانِ إِذَا سُئِلَ عَنْهُ ، سَوَاءٌ كَانَ مِمَّنْ يَتَعَاطَاهُ أَوْ لَا ، كَهٰذَا الْعَبْدِ الضَّعِيْفِ وَجَمِيْعِ مَنْ فِيْ بَيْتِهٖ أَنْ يَقُوْلَ : هُوَ مُبَاحٌ ، لٰكِنْ رَائِحَتُهٗ تَسْتَكْرِهُهَا الطِّبَاعُ ، فَهُوَ مَكْرُوْهٌ طَبْعًا ، لَا شَرْعًا " . "جس کسی شخص سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے، خواہ اسے استعمال کرتا ہو یا نہیں، جیسے یہ بندۂ ضعیف اور اس کے جملہ اہلِ خانہ، تو اس کو مباح کہنا چاہیے، لیکن اس کی بُو طبیعت کو ناگوار معلوم ہوتی ہے، اس لیے وہ طبعاً مکروہ ہے، نہ شرعاً" (ردالمحتار: ۵/۴۵۹، ط:سعید کراچی)

دلیل(۲): اسی طرح" اَلْحدِيْقَةُ النَّدِيَّةُ شَرْحُ طَرِيْقَةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ" میں عبدالغنی النابلسی-رحمہ اللہ- (بحوالہ تفسیر خازن) فرماتے ہیں:

" ذَكَرُوْا فِي مَعْنَى الطَّيِّبَاتِ فِيْ هٰذِهِ الآيَةِ : أَيْ فِيْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالْطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ﴾ . أَقْوَالًا ...... اَلْقَوْلُ الثَّالِثُ : .... اَلآيَةُ عَلَى الْعُمُوْمِ ، فَيَدْخُلُ تَحْتَهٗ كُلُّ مَا يُسْتَلَذُّ وَيُشْتَهٰى مِنْ سَآئِرِ الْمَطْعُوْمَاتِ إِلَا مَا وَرَدَ نَصٌّ بِتَحْرِيْمِهٖ ، كَذَا قَالَهُ الْخَازِنُ ...... وَفِيْ هٰذَا دَلَالَةٌ وَاضِحَةٌ عَلٰى إِبَاحَةٍ ؛ نَحْوِ الْقَهْوَةِ وَالْتَّتْنِ مِمَّا تَسْتَلِذُّهٗ بَعْضُ الطِّبَاعِ وَتَجِدُ لَهٗ نَفْعًا وَلَيْسَ هُوَ مِنَ الْمُسْكِرَاتِ ، وَلَيْسَ فِيْ حُرْمَتِهٖ نَصُّ آيَةٍ ، وَلَا حَدِيْثٍ ، وَلَا قِيَاسٍ عَلٰى ثَابِتٍ بِأَحَدِهِمَا " .

"آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال ہیں، ان میں سے ایک یہ کہ

آیت میں عموم ہے، اس کے تحت وہ تمام اشیائے مطعومات داخل ہیں، جو بطورِ لذت یا رغبت کے طور پر کھائی جاتی ہیں، نیز قہوہ اور تتن (بد بودار درخت) کی اِباحت وجواز پر یہ آیت صریح دلالت کرتی ہے، جو طبیعت کے لیے باعثِ لذت اور حصولِ منفعت کا بھی ذریعہ ہے، اور وہ نشہ آور اشیاء میں سے بھی نہیں ہے، اور نہ ہی اس کی حرمت پر کوئی آیتِ قرآنی دلالت کرتی ہے، اور نہ حدیثِ نبوی، اور نہ قواعدِ شرعیہ اس کے متقاضی ہیں۔"

(ترویح الجنان للعلامہ اللکنوی: ص/ ۳۵ ملحقہ مع رسائل اللکنوی: ج/۲)

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری- رحمہ اللہ- " الأشباه و النظائر "میں فرماتے ہیں:

" اَلْأَصْلُ فِيْ الْأَشْيَاءِ الإِبَاحَةُ حَتَّى يَدُلَّ الدَّلِيْلُ عَلٰى عَدَمِ الإِبَاحَةِ".

"چیزوں میں اصل اِباحت ہے، جب تک کہ اس کی حرمت پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔"

نیز بیڑی، سگریٹ، تمباکو اور گٹکھا وغیرہ کا استعمال مضرِ صحت بھی تو نہیں ہے، کہ مملکت کے قوانینِ حفظانِ صحت کی خلاف ورزی لازم آتی ہو۔

اب میں اپنی دلائل کو سمیٹتے ہوئے بطورِ خلاصۂ دلائل یہ عرض کرتا ہوں، کہ جب بیڑی، سگریٹ، تمباکو اور گٹکھا وغیرہ کی حرمت پر، نہ نصِ قطعی موجود ہے، اور نہ فقہا کے اقوال، اور نہ کسی قاعدۂ شرعیہ سے اس کی حرمت کو ثابت کیا جا سکتا ہے، تو میرے مؤکل کے خلاف جو مقدمہ دائر کیا گیا ہے، وہ سراسر ظلم وزیادتی پر مبنی ہے، اس لیے اُسے بری قرار دے کر، عدالتِ عالیہ..... حکومت کے اِن اہل کاروں پر قانونِ اسلام کی دفعہ ۳؛ بابت حرمتِ عرض (ہتکِ عزت) کے تحت (5000) روپئے کا تاوان واجب کریں۔

جج: وکیلِ استغاثہ (سرکاوی وکیل) سے مخاطب ہوکر:

آپ نے وکیلِ دفاع کی دلائل سنیں، کیا آپ کو اس سلسلے میں کچھ نقد و جرح کرنی ہے؟

وکیلِ استغاثہ: جی ہاں!

اولاً تو مجھے اِس بات پر بڑا افسوس ہے کہ محترم وکیلِ دفاع، بجائے اِس کے کہ اپنے موٴکل کی حرکتوں پر ندامت کا اظہار کرتے، اور اس کی طرف سے عدالتِ عالیہ سے معافی ودرگزر کے طلب گار ہوتے، اُس کی حرکتوں کو جائز ومباح قرار دینے کے لیے، مختلف حیلے اور بہانے تلاش کیے، اور دلائلِ شرعیہ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی، بے جا جسارت وجرأت کی ہے، جو بذاتِ خود ایک جرم ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا:

"بریں عقل ودانست بباید گریست"

اسی طرح ایک مقولے کا مفہوم ہے:

"حیلۂ گناہ بدتر از گناہ است"

محترم جج صاحب!

وکیلِ دفاع نے اپنی دلائل پیش کرکے، نہ صرف اپنے موٴکل کا ناحق دفاع کیا، بلکہ عدالتِ عالیہ کو بھی گمراہ کرنا چاہا۔

وکیلِ موصوف کا یہ دعویٰ کہ ان چیزوں کی حرمت پر کوئی آیتِ قرآنی موجود نہیں، بے بنیاد ہے، کیوں کہ بیڑی، سگریٹ، تمباکو وغیرہ کا استعمال کرنا اکل

خبیث ، اِسرافِ مال، ہلاکتِ نفس، اور ایذائے مسلمین پر مشتمل ہے، جس کی حرمت پر نصوصِ قرآنیہ دال ہیں۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے:

اکلِ خبیث : ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ . ''اور وہ حرام کرتا ہے انسان پر گندی چیزیں۔'' (سورۃ الاعراف:۱۵۷)

اسرافِ مال : ﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ، اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنَ﴾ . ''اور مال کو فضولیات میں نہ اڑاؤ، بے شک فضولیات میں اُڑا دینے والے شیطانوں کے بھائی بند ہوتے ہیں۔'' (سورۃ بنی اسرائیل:۲۶/۲۷)

﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ . ''کھاؤ اور پیو، لیکن اِسراف سے کام نہ لو، بے شک وہ (اللہ) مسرفوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔'' (سورۃ الأعراف : ۳۱)

ھلاکتِ نفس: ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ . ''اور تم اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالیے۔'' (سورۃ البقرہ:۱۹۵)

اسی طرح وکیل دفاع کا یہ کہنا، کہ احادیث میں ان چیزوں کے متعلق ممانعت نہیں، بالکل غلط ہے۔

ایذائے مسلمین : ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ .

''اور جو لوگ ایذا پہنچاتے ہیں ایمان والوں کو، اور ایمان والیوں کو، بدونِ اس کے کہ انہوں نے کچھ کیا ہو، تو وہ لوگ بہتان اور صریح گناہ کا بار (اپنے

اوپر) لیتے ہیں۔“ (سورة الأحزاب :٥٨)

اسی طرح سے وکیلِ دفاع کا یہ کہنا......کہ احادیث میں ان چیزوں کے متعلق کوئی ممانعت نہیں، بالکل غلط ہے، کیوں کہ یہ چیزیں اِسراف مال، ہلاکتِ نفس اور ایذائے مسلم کا ذریعہ وسبب ہیں،جس کی احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔بطورِ نمونہ چند احادیث پیشِ خدمت ہیں:

(۱) اِسرافِ مال : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

” إِنَّ اللّٰـهَ حَـرَّمَ عَـلَـيْـكُمْ إِضَاعَةَ الْمَالِ “ . ”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اضاعت مال کو حرام کیا ہے۔“ (صحیح البخاری:۱/۳۲۴)

(۲) ہلاکتِ نفس: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

” مَـنْ أَكَـلَ الـطِّيْـنَ فَكَأَنَّمَا أَعَانَ عَلٰى قَتْلِ نَفْسِهٖ “ . ”جس نے مٹی کھائی گویا اس نے خودکشی پر مدد کی۔“ (السنن الکبریٰ للبیہقی:۱۰/۲۰)

قَالَ فِي الْجَوْهَرِ : ” بَلْ هُوَ دَالٌّ عَلَى التَّحْرِيْمِ ؛ لِأَنَّ الإِعَانَةَ عَلَى قَتْلِ النَّفْسِ مُحَرَّمَةٌ ، فَكَذَا هٰذَا “ . ”بلکہ آیت کریمہ مٹی کھانے کی حرمت پر دال ہے، کیوں کہ قتلِ نفس پر اِعانت کرنا بھی حرام ہے، ایسے ہی مٹی کا حکم ہے۔“

(۳) ایذائے مسلم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

” مَـنْ أَكَـلَ مِـنْ هٰـذِهِ الشَّـجَـرَةِ الْـمُـنْتِـنَةِ فَلاَ يَـقْرُبَنَّ مَسْجِدَنَا ، فَإِنَّ الْـمَلاَئِكَةَ تَتَأَذَّى مِمَّا يَتَأَذَّى مِنْهُ الإِنْسُ “ . متفق عليه . ”جو شخص اس بدبو دار درخت سے کھائے، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے، اس لیے کہ ملائکہ کو ان

چیزوں سے تکلیف ہوتی ہے،جن سے انسانوں کو تکلیف ہوتی ہے۔"
(مشکوۃ شریف:ص/۶۸،۶۹)

نیز وکیلِ موصوف کا یہ دعویٰ کہ بیڑی سگریٹ وغیرہ کی حرمت پر اقوالِ فقہا موجودنہیں،مبنی بر جہالت ہے،کیوں کہ "الدر المنتقی" میں ہے: "وَكَذَا النَّتْنُ الَّذِيْ شَاعَ فِيْ زَمَانِنَا بَعْدَ نَهْيِ وَلِيِّ الْأَمْرِ . (نَصَرَ اللّٰهُ تَعَالَى). "ایسے ہی تمبا کو جو ہمارے زمانے میں کثیر الاستعمال ہے،حرام ہے ،حاکمِ وقت (اللہ اس کی مدد کرے) کے اس پر پابندی لگانے کے بعد۔"
(الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر:۴/۲۵۱، الدر المختا مع الشامية:۱۰/۴۱)

اسی طرح وکیلِ دفاع کا یہ دعویٰ،کہ بیڑی ،سگریٹ وغیرہ کی حرمت کو کسی قاعدۂ شرعیہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا بھی اُن کی نادانی پر شاہد ہے،کیوں کہ مذکورہ تمام آیاتِ قرآنیہ،احادیثِ مبارکہ اور عباراتِ فقہیہ ان چیزوں کے استعمال کے غیر مباح ہونے پر دال ہیں۔

نیز مذکورہ اشیاء اگر چہ مطلقاً حرام تو نہیں،مگر حرام یعنی نشہ تک پہنچنے کا سبب وذریعہ بنتی ہیں،اور فقہ کا قاعدۂ مسلمہ ہے کہ:

"جو چیز حرام اور ممنوع تک پہنچنے کا ذریعہ وسبب بنے،وہ بھی حرام ہوتی ہے۔"

" إِنَّ الْوَسِيْلَةَ أَوِ الذَّرِيْعَةَ تكُوْنُ مُحَرَّمَةً إِذَا كَانَ الْمَقْصدُ مُحَرَّمًا وَتكُوْنُ وَاجِبَةً إِذَا كَانَ الْمَقْصدُ وَاجِبًا " . (المقاصد الشرعية :ص/۴۶)

عدالتی فیصلہ

جج (حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر):

وکلائے طرفین کی دلائل کی سماعت کے بعد، عدالت اِس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ملزم (نمبر ۱/) مقاصدِ شرعیہ؛ دفعہ ۲/؛ بابت حفظانِ نفس وصحت، اور دفعہ چار ۴/؛ بابت حفظانِ مال، کی صریح خلاف ورزی کا مرتکب ہوا، اس لیے اُس پر تین ہزار (۳۰۰۰) روپئے نقد جرمانہ عائد کیا جاتا ہے، اور نہ ادا کرنے کی صورت میں پندرہ یوم، قیدِ بامشقت کا حکم دیا جاتا ہے۔......اور صدر بار قونصِل ایشوشین سپریم کورٹ کو ہدایت کرتی ہے، کہ اس طرح کے وُکلاء- جو دلائلِ شرعیہ کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے، جرائم پیشہ افراد کو تحفظ فراہم کرنے کے لیے پیشۂ وکالت سے منسلک ہیں، اُن کی رکنیت پر نظر ثانی کی جائے، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ، وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ، وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا﴾ .

''جوکوئی اچھی سفارش کرے گا، اُس کو اس میں سے حصہ ملے گا، اور جوکوئی بری سفارش لائے گا، اُس پر اس میں سے بار رہے گا، اور اللہ ہر چیز پر طاقت رکھنے والا ہے۔'' (سورۃ النساء: ۸۵)

(عدالت برخاست ہوتی ہے)

﴿وإن كثيرًا مِّن الخلطاء ليبغي بعضهم على بعض﴾ (القرآن)

(۲)

مُکالَمہ بابت

عقدِ شرکت میں ہونے والا نقصان

کردار:

حامد:......

خالد:......

ترجمان/ پیش کار:......

کالر:......

گشتی پولیس:......

گشتی پولیس اہل کار:......

وکیلِ استغاثہ:......

وکیلِ دفاع:......

جج:......

مقدمہ

(خالد اور حامد آپس میں دوست ہیں، ایک روز دونوں کی ملاقات ہوئی)

حامد (خالد سے): کیا بات ہے؟

آپ کچھ اُلجھے اُلجھے سے، حیران و پریشان اور بے چین دکھائی دے رہے ہیں، ہمارے ہوتے ہوئے آپ کی یہ پریشانی ہم سے دیکھی نہیں جاتی!

خالد (حامد سے): ہاں یار! آپ نے صحیح بھانپ لیا،

دراصل بات یہ ہے کہ میرے پاس کچھ رقم ہے، میں چاہتا ہوں کہ اس سے کوئی اچھا کاروبار کرکے ترقی کی منزل کو چھولوں، مگر کیا کروں! کوئی ایمان دار، وفا شعار، سرمایہ دار، شریک اور پارٹنر (Partner) نہیں مل رہا ہے، جس کی شرکت کے ساتھ یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو۔ کیا ہی اچھا رہے گا اگر تم میرا ساتھ دو، اور ہم دونوں آپس میں ایک کمپنی قائم کریں! بتاؤ! تمہارا کیا خیال ہے، بہتر رہے گا؟؟

حامد (خالد سے): دیکھو خالد! دوستی کے ناطے میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے تو پوری طرح تیار ہوں، اور میرے پاس کچھ سرمایہ بھی ہے، لیکن آج کل زمانہ ایسا نہیں ہے کہ ہر کسی پر اعتماد کیا جائے، خصوصاً مالی معاملات میں، اور کاروبار کی حالت بھی تو ایسی ہوچکی ہے کہ اگر قسمت نے ساتھ دیا، تو راتوں رات کروڑ پتی بن گئے، ورنہ جو تھا وہ بھی چلا گیا، اور صبح کاسۂ گدائی لے کر دربدر کی ٹھوکریں کھانی پڑے۔

خالد (حامد سے): ایسی مایوسی کے ساتھ تو کوئی انسان بھی ترقی نہیں کرسکتا،

ترقی کے لیے حوصلوں اور ہمتوں کی ضرورت ہوا کرتی ہے،اورزندگی میں اس طرح کے تلخ تجربات سے ہم کنار ہونا زندہ دلوں کا خاص وصف ہے،اورآپ کو معلوم ہے کہ زندگی نفع ونقصان،میٹھے اورکڑوے،اچھے اور برے سے ہی تعبیر ہے،اورمسلمان کا تواس بات پر ایمان ہے،کہ تقدیر اچھی ہو یا بری اللہ ہی کی جانب سے ہے۔

" وَالْقَدْرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ وَحُلْوِهٖ وَمُرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى " .

اگراس مختصرسی زندگی میں اپنے اوراپنے بچوں کے لیے کچھ حاصل کرنا ہے،تو اس طرح کے شیطانی وسوسوں،اور برے خیالات کوتین طلاق دے کر،ہمت وحوصلے کالبادہ اوڑھناضروری ہے۔

حامد: خالدآپ کی اِن باتوں سے میری ناامیدی-اُمید میں،بزدلی ہمت میں تبدیل ہوگئی،اوراب میں اپنے اندر کچھ کرگزرنے کا حوصلہ پاتاہوں،اس لیے آیئے!ہم دونوں پورے حوصلے اورعزم کے ساتھ دستِ شرکت بڑھاکرایک معاہدہ کرتے ہیں،کہ دس لاکھ میرے،اوردس لاکھ آپ کے ملاکر،ہم دونوں اس کاروبار کوشروع کریں گے،مگراس شرط کے ساتھ کہ میں نقصان میں شریک نہیں رہوں گا۔

(پھرخالداورحامددونوں آپس میں ایک فارم(Farm)پردستخط کرتے ہیں۔)

حامد(خالدسے): ہمارے اِس معاہدے پراللہ گواہ ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلَى مَا نَقُوْلُ وَكِيْل﴾

(ایک مدت کے بعد)

ترجمان: حامد اور خالد کا کاروبار چند ہی دنوں میں چل نکلا، دونوں خوب نفع کماتے رہے، نہایت ہی حوصلہ افزا اور پر مسرت ایام گزر رہے تھے کہ اچانک ایک زور کا دھچکا لگا، ہوا یہ کہ ایک دن سونامی زلزلہ آیا، اور تمام کاروبار (فیکٹری سمیت) زمین دوز ہو گیا، اور امیدوں اور آرزوؤں کی فلک بوس عمارتیں اس کی تباہ کاری سے بچ نہ سکیں، اب دونوں میں تنازع ہوا، معاملہ یہاں تک پہنچا کہ حامد اور خالد آپس میں اُلجھ گئے۔

(گشتی پولیس چوکی کے ریسیور کی گھنٹی بجتی ہے، ٹرنگ ٹرنگ......ٹرنگ ٹرنگ)

گشتی پولیس ٹیم میں سے ایک (ریسیور اٹھا کر): ہیلو! کون؟

کالر: جی! میں ''دستی چوک'' سے بول رہا ہوں، یہاں پر دو افراد کے مابین زبردست جنگ چھڑی ہے، فوراً پولیس ٹیم روانہ کریں!......ورنہ!

......پولیس گشتی ٹیم (موقعۂ واردات پر پہنچ کر) دونوں کو گرفتار کر کے پولس اسٹیشن پہنچتی ہے۔

عدالت میں

(پولیس اہل کار خالد اور حامد دونوں کو پکڑ کر عدالت میں پیش کرتے ہوئے)

پولیس اہل کار (پیش کار صاحب سے مخاطب ہو کر):

اِن دونوں افراد کو ہم نے اپنے گشت (Petroling) کے دوران ایک

دوسرے سے دست وگریبان ہوتے دیکھا، تو انہیں اٹھالے آئے ،اب آپ خودلڑائی کی اصل وجہ معلوم کرکے ،ان کے خلاف ،نقضِ امن کا مقدمہ دائر کریں!

پیش کار (دونوں مجرموں سے مخاطب ہوکر):

کیوں میاں! تم دونوں آپس میں کیوں لڑ رہے تھے؟

بیان فریقِ اول (حامد)

(حامد اپنا بیان دیتا ہے)

حامد : ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے دوست خالد سے ملاقات کی ،تو میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ اُلجھا اُلجھا سا حیران و پریشان ہے ،میرے پوچھنے پر اُس نے مجھے بتایا کہ ،میرے پاس کچھ رقم ہے میں اُسے کاروبار میں لگا کر کچھ بننا چاہتا ہوں ،لیکن جو کاروبار میں سوچ رہا ہوں اس میں کسی پارٹنر کی ضرورت ہے ، کیوں کہ اتنے بڑے کاروبار کے لیے جس قدر سرمایہ درکار ہے ، میں تنِ تنہا اُس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا ،اُس کے بعد اس نے مجھے اپنے اِس متوقع کاروبار میں یہ سبز باغ دکھا کر شرکت کی دعوت دی ، کہ یہ کاروبار سو فیصد نفع بخش ہے ،ہم بہت جلد اتنی ترقی کرلیں گے کہ لوگوں کی زبانوں پر یہ کلمات ہوں گے:

"پانچوں انگلیاں گھی میں"

(He Lives on the fat of the land)

اور اسی پر بس نہیں ، بلکہ ایک دن ایسا آئے گا کہ ہم "اَنبانی برادران ،اور ٹاٹا و بِرلا" سے دو قدم آگے ، پوری دنیا کے امیر ترین انسان کہلائیں گے ،اور پھر دنیا

ہمارے ہاتھ میں ہوگی،اور ہم گنگنائیں گے:

''دَورلڈ اِز یورس''

(The world is your,s)

اور ہم یہ محسوس کریں گے کہ:

''ہم دنیا کے بادشاہ ہیں''

(We are king,s of the world)

میں اس کی باتوں میں آ گیا،اور میں نے اس کی طرف دستِ شرکت، اِس شرط کے ساتھ بڑھا دیا، کہ میں کاروبار سے حاصل ہونے والے منافع میں پچاس فی صد (50%) کا مالک رہوں گا،لیکن اگر خدانخواستہ،خدانخواستہ! کاروبار نقصان وخسارے کی زد میں آجائے،تو میں اس نقصان میں رتی برابر کا شریک نہیں رہوں گا، اوراس نے میری اِس شرط کو منظور بھی کرلیا،جس پر یہ اسٹامپ پیپرز شاہد ہیں، ہمارا کاروبار الحمدللہ اچھا چلتا رہا،اور امید سے زیادہ منافع حاصل ہوتے رہیں،ہم نے اس کی تقسیم کے لیے ایک تاریخ طے کی،لیکن قدرت کا کرنا ایسا ہوا کہ اس تاریخ کے آنے سے پہلے ہی ہمارا یہ کاروبار، پوری طرح سے تباہ وبرباد ہوگیا،اب میں اُس سے نفع نہیں،اپنی اصل رقم کا مطالبہ کررہا ہوں،اوروہ یہ کہہ رہا ہے کہ تمہاری اصل رقم کی واپسی تو درکنار، بلکہ تم کو ہونے والے چارلاکھ نقصان کے تلافی کے لیے دولاکھ روپئے مجھے دینے ہوں گے۔

(فریقِ اول کا بیان ختم ہوتا ہے)

پیش کار فریقِ ثانی (خالد) سے مخاطب ہو کر:

آپ اِس سلسلے میں اپنا بیان دیجئے!

بیان فریقِ دوم (خالد)

(خالد اپنا بیان دیتا ہے)

خالد: یہ حقیقت ہے کہ ہمارا اِس طرح کا معاہدہ طے پایا تھا، اور میں نے حامد کی شرط بھی منظور کرلی تھی، کہ آپ محض نفع میں حصہ دار اور شریک ہوں گے، نقصان میں نہیں، لیکن انسان ظَلُوم اور جَہُول ہے، آئندہ کیا ہوگا اُس سے وہ بے خبر ہے، زمینی وآسمانی آفتوں اور بلاؤں کا سلسلہ مسلسل جاری ہے، ہمارے کاروبار کا تباہ وبرباد ہونا بھی اِسی سلسلے کی ایک ناخواہی وناپسندیدہ کڑی ہے، اسے گردشِ ایام کہیے، یا قسمت کا لکھا، کہ آج میں نہ صرف کنگال ومفلس ہوں، بلکہ چار لاکھ کا مقروض، اب میرا یہ دوست مجھ سے اپنی اصل رقم کا مطالبہ کررہا ہے، جب کہ اخلاق وشریعت میرے حق میں ہیں، کیوں کہ عقد شرکت میں جو بھی نقصان ہوتا ہے، ہر شریک اس میں اپنے حصۂ مال کے تناسب سے نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے، اس لیے اس کا اپنی اصل رقم کا مطالبہ بالکل جائز نہیں، چہ جائے کہ اُس پر مجھ سے دست وگریباں ہونا۔

پیش کار دونوں (حامد اور خالد) سے مخاطب ہو کر:

ٹھیک ہے، آپ دونوں کا بیان ریکارڈ ہو چکا، اور مقدمہ کی سماعت کے لیے ۵؍ رجب المرجب ۱۴۲۹ھ کی تاریخ طے کی جاتی ہے، متعینہ تاریخ پر آپ دونوں

اپنے وکیلوں کے ہمراہ عدالتِ عالیہ میں پیش ہوں!

زمانۂ فترت

(۵ر رجب المرجب ۱۴۲۹ھ کو دونوں فریق اپنے وکیلوں کے ہمراہ، عدالت میں موجود ہیں۔)

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر...... کے ملزم حامد اور خالد کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں!!

جج وکیل دفاع (حامد کے وکیل) سے مخاطب ہوکر:

جناب وکیل صاحب! آپ کے مؤکل-حامد کے خلاف یہ مقدمہ درج ہے کہ اُس نے خالد کو زدوکوب کیا اور دفعہ دو کی خلاف ورزی کا مرتکب ہوا، اس سلسلے میں آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی بیانِ صفائی دینا چاہتے ہیں؟

وکیل دفاع: جی ہاں، محترم جج صاحب!

میرے مؤکل نے اپنے پسینے کی کمائی مبلغ ۱۰ر لاکھ روپئے نقد، اپنے بیوی بچوں کے منہ سے نکال کر، خالد کو ایک کاروبار کرنے کے لیے دیئے، اور اس میں یہ شرط لگائی کہ میں نقصان کی صورت میں ضامن نہیں رہوں گا، خالد نے اسے منظور بھی کیا، جس پر یہ اسٹامپ پیپرز شاہدِ عدل ہیں، خالد کا کاروبار قدرتی آفات کا شکار ہوکر تباہ و برباد ہوگیا، لیکن اس سے حامد کو کوئی سروکار نہیں، کیوں کہ حامد نے پہلے ہی یہ پیش گوئی کی تھی، کہ ہوسکتا ہے کاروبار تباہ و برباد ہوجائے، اور ہماری اصل رقم بھی چلی جائے، مگر خالد نے بہلا پھُسلا کر، اسے عقد شرکت کی

دعوت دی تھی ،لہٰذا حامد کا اپنی اصل رقم کا مطالبہ کرنا ،اَز روئے قانونِ اسلامی بالکل جائز ودرست ہے، کیوں کہ دستورِ اَساسی ،فرمانِ الٰہی یہ ہے:

﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُوْلًا﴾

''اورعہد کی پابندی رکھو، بے شک عہد کی باز پرس ہوگی۔'' (سورۂ بنی اسرائیل:۳۴)

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:'' اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلَى شُرُوْطِهِمْ'' .

''مسلمانوں پر اپنی شرائط کا پاس ولحاظ ضروری ہے۔''

(سنن ترمذی:۱/ ۲۵۱،سنن ابی داوٗد:۵۰۶،سنن بیہقی:۶/ ۷۹)

اس لیے میں عدالتِ عالیہ سے درخوست کروں گا کہ وہ صاحبِ حق کو اُس کا حق دلاکر'' قَاضٍ فِي الْجَنَّةِ ''کا مصداق بنیں!

جج وکیلِ استغاثہ(خالد کے وکیل) سے مخاطب ہوکر:

آپ نے وکیلِ دفاع کا بیان اور اُس کی دلائل سنیں، کیا آپ کو اس بیان اور دلائل پر کچھ نقد وجرح کرنی ہے؟

وکیلِ استغاثہ: جی ہاں !منصفِ عالی مقام!

اتنی بات تو میرا موکل خالد بھی تسلیم کرتا ہے، کہ اس نے حامد کی یہ شرط منظور کی تھی، کہ وہ اس کاروبار میں ہونے والے نقصان کا ضامن نہیں ہوگا ،لیکن اس طرح کی شرط لگانا اور اسے قبول کرنا دونوں شرعاً غلط ہیں، کیوں کہ فقہائے کرام اس طرح کی شرط لگانے کو باطل قرار دیتے ہیں،یعنی اگر یہ شرط لگائی جائے ،تب بھی اس کا اعتبار نہیں ہوتا ،اور ہر شریک اپنے حصۂ مال کے تناسب سے نقصان کا

ذمہ دار قرار پاتا ہے، کیوں کہ یہ شرکت، شرکتِ عِنان ہے، جس میں ہر شریک اپنے حصہ مال کے تناسب سے نقصان کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: " اَلرِّبْحُ عَلٰی مَا شَرَطَا وَالْوَضِيْعَةُ عَلٰی قَدْرِ الْمَالَيْنِ " . "نفع شرط کے مطابق تقسیم ہوگا اور نقصان میں دونوں اپنے اپنے مال کی بقدر شریک ہوں گے۔" (اعلاء السنن:۱۳/۷۶)

اسی طرح ۴۶۱ھ کے مشہور محقق، فقیہ وقانون داں، شیخ الاسلام، قاضی القضاۃ ابوالحسن علی ابن حسین ابن محمد السُّغدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" أَمَّا تَفْضِيْلُ الْوَضِيْعَةِ فَلاَ يَجُوْزُ مُتَّفِقًا " .

(عقد شرکت میں ہر شریک اپنے حصہ مال کے تناسب سے برابر کا شریک ہوگا، اس میں کمی بیشی کرنا باتفاقِ فقہاء، بالکل جائز نہیں ہے۔)

(النتف في الفتاوی :ص/۳۲۴)

عصر حاضر کے ایک زبردست فقیہ، شیخ عبدالحمید محمود طهماز، اپنی انمول وانوکھی تالیف " الفقه الحنفي في ثوبه الجديد "میں رقم طراز ہیں:

" وَالْوَضِيْعَةُ عَلَى قَدْرِ الْمَالِ يَعْنِيْ الْخُسْرَانَ فِيْ الشِّرْكَةِ عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا بِقَدْرِ مَالِه ، فَإِنْ كَانَ مَالُهُمَا مُتَسَاوِيًا فِيْ الْقَدْرِ فَالْخُسْرَانُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ ، وَإِنْ كَانَ أَثْلاَثًا فَالْوَضِيْعَةُ أَثْلاَثًا ، لَا نَعْلَمُ فِيْ هٰذَا خِلَافًا بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ ، وَبِه يَقُوْلُ أَبُوْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيُّ وَغَيْرُهُمَا ، وَهُوَ قَوْلُ الشَّعْبِيِّ وَجَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَالنَّخَعِيِّ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ" .

"تمام اہلِ علم کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر شریک اپنے حصہ مال کے تناسب سے

نقصان کا ذمہ دار ہوگا، اگر دونوں کا سرمایہ آدھا آدھا تھا، تو دونوں کا نقصان بھی آدھا آدھا ہوگا، اور اگر سرمایہ تین حصوں پر منقسم تھا، تو نقصان بھی تین حصوں پر منقسم ہوگا، نیز امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام شعبی، جابر ابن زید، اور امام نخعی رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔" (۲۸/۵)

اسی طرح فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے: " اَلْغُرْمُ بِالْغُنْمِ " – "تاوان نفع کے مطابق ہوتا ہے۔" (درر الحکام شرح مجلۃ الاحکام: ۱/۹۰، رقم المادۃ: ۸۷)

رہا وکیلِ موصوف کا اپنی دلیل میں آیتِ قرآنی ﴿وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُوْلًا﴾ کو پیش کرنا، تو وہ درست نہیں، کیوں کہ بیہقی کی روایت ہے:

عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : " إِذَا وَعَدَ الرَّجُلُ أَخَاهُ وَمِنْ نِيَّتِهٖ أَنْ يَفِيَ لَهٗ فَلَمْ يَفِ وَلَمْ يَجِيْءْ لِلْمِيْعَادِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ " .

(السنن الکبریٰ للبیهقي : ۱۰/۳۳۵، رقم : ۲۰۸۳۸)

فِيْهِ دَلِيْلٌ عَلَى أَنَّ الْوَفَاءَ بِالْوَعْدِ لَيْسَ بِوَاجِبٍ شَرْعِيٍّ بَلْ هُوَ مِنْ مَّكَارِمِ الْأَخْلَاقِ بَعْدَ انْ كَانَ نِيَّةَ الْوَفَاءِ . (حاشیہ جلالین : ۱/۹۴، المائدۃ)

جب آدمی اپنے مسلم بھائی سے وعدہ کرے، اور اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی بھی ہو، پھر کسی وجہ سے وہ اس وعدے کو پورا نہ کر سکے، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، حاشیہ تفسیر جلالین میں لکھا ہے کہ یہ حدیث دال ہے اس بات پر، کہ وفائے عہد (وعدہ پورا کرنا) واجبِ شرعی نہیں، بلکہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے، بشرطیکہ اس کی نیت وعدہ پورا کرنے کی ہو۔

اسی طرح وکیل موصوف کا اپنی دلیل میں حدیث: ''اَلْمُسْلِمُوْنَ عَلٰی شُرُوْطِهِمْ'' کو پیش کرنا، یہ سراسر علمی خیانت یا قصورِ مطالعہ پر مبنی ہے، کیوں کہ آپ نے صرف حدیث کا ایک جز پیش فرمایا، اور جزءِ ثانی سے صرفِ نظر کیا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اُنہیں شرطوں کا پاس ولحاظ ضروری ہوتا ہے، جو شریعت کی حرام کردہ چیزوں کو حلال، اور حلال کردہ چیزوں کو حرام نہ قرار دے، جب کہ عقد شرکت میں یہ شرط لگانا، کہ میں نقصان میں شریک نہیں رہوں گا، سود کے دروازے کو کھولتا ہے، اور وہ اس طرح کہ شریعت کسی بھی شخص کو نفع کا حق دار اُس وقت قرار دیتی ہے، جب وہ رِسک لیتا ہو (یعنی نقصان میں بھی شریک ہوتا ہو)، اور یہاں رسک لینا نہیں پایا گیا، اب جو بھی نفع حاصل ہوگا، وہ محض اپنی اصل رقم قرض پر دینے کی وجہ سے ہوگا، اور قرض پر نفع کمانا شرعاً حرام ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا''.

(فیض القدیر :۵/۲۸، حدیث:۶۳۳۶، قواعد الفقہ :ص/۱۰۲)

اس لیے یہ شرط، شرعاً باطل ٹھہری، اور اس کا پاس ولحاظ کرنا مقاصدِ شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے خود باطل ہے۔

ان تمام دلائل کا خلاصہ یہ نکلا کہ حامد اس کاروبار میں ہونے والے نقصان میں برابر کا شریک ہے، اور اس کا خالد سے اپنے اصل سرمایہ کی واپسی کا مطالبہ شرعاً بالکل جائز نہیں، اور اس نے خالد کو جوز دوکوب کیا، اور اس کی ہتکِ عزت کی، اس پر دفعہ دو؛ بابت حفاظتِ نفس وعزت کے تحت اس کو سزا ملنی چاہیے۔

عدالتی فیصلہ

جج: وکلائے طرفین کی دلائل سننے کے بعد عدالت اِس نتیجے پر پہنچی، کہ حامد کا خالد سے اپنے اصل سرمایہ کی واپسی کا مطالبہ شرعاً جائز نہیں، اور حامد کاروبار میں ہونے والے چار لاکھ روپئے نقصان میں سے، دو لاکھ خالد کو ادا کر دیں، اور خالد کو زدوکوب کر کے اُسے جو جسمانی تکلیف پہنچائی، اور اُس کی عزت کو پامال کیا، اُس پر حامد- خالد کو، بطورِ جرمانہ- مبلغ پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ ادا کریں!

پیش کار:

(عدالت برخاست ہوتی ہے)

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَالَّذِيْنَ أُوْتُوْا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾
(القرآن)

(۳)

مُکالَمہ بابت

دینی وعصری علوم

کردار:

(۱)ترجمان.........................عمار

(۲)دانشور.........................زید

(۳)دیندار.........................بکر

(۴)فضولی.........................عمرو

(۵)مفتی شہر.........................یاسر

تمہید

عمار (ترجمان):

’’زید‘‘ ایک دانشور ہے جو اپنی قوم میں دنیوی تعلیم کے فروغ کے لیے رات دن کوشش میں لگا ہوا ہے، مسلمانوں کی تعلیمی حالت پر مشتمل سچر کمیٹی کی رپورٹ پڑھ کر وہ انتہائی فکر مند ہو جاتا ہے، اسی درمیان اس کی ملاقات ’’بکر‘‘ نامی شخص سے ہوتی ہے، جو دینی علوم ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے، اور قوم کا دنیوی علوم کو حاصل کرنا اسے ذرا اچھا نہیں لگتا، دونوں آپس میں تبادلۂ خیال کرتے ہیں، دونوں کی فکر ونظر ایک دوسرے سے مختلف ہونے کی وجہ سے دونوں آپس میں الجھ جاتے ہیں، اس درمیان ’’عمرو‘‘ نامی شخص کا وہاں سے گزر ہوتا ہے، جوان دونوں کو اپنے نظری وفکری اختلاف کو دور کرنے کے لیے مفتیٔ شہر کی خدمت پہنچنے کا مشورہ دیتا ہے، بعدہ یہ سب لوگ حضرت مفتی ’’یاسر‘‘ صاحب کے پاس پہنچتے ہیں، اور حضرت مفتی صاحب دونوں کے افکار ونظریات کو سننے کے بعد صحیح اسلامی نقطے کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں۔

ملاحظہ ہو ’’مکالمہ برعلومِ دینیہ وعصریہ‘‘!

مقدمہ

زید: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بکر: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بکر: کیا دانش ور صاحب آج کچھ فکروں اور الجھنوں میں الجھے الجھے سے اور ٹینشن میں نظر آرہے ہیں، خیریت تو ہے نا؟

زید (دانش ور): آج میں نے اخبار میں سچر کمیٹی کی رپورٹ پڑھی، جس سے معلوم ہوا کہ عالمی اور ملکی سطح پر ناخواندگی کی شرح مسلمانوں میں سب سے زیادہ ہے، اس رپورٹ نے مجھے فکر وغم میں مبتلا کر دیا، مسلمانوں کی یہ حالتِ زار دیکھ کر مجھے کھانا پینا بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے، کیوں کہ مسلمان معاشی، اقتصادی، سیاسی، سائنسی، ٹیکنالوجی اور دیگر عصری علوم، غرضیکہ ہر میدان میں پیچھے ہیں۔

بکر : ارے دانش ور صاحب! یہ فکر وغم چھوڑو، سچر کمیٹی کی رپورٹ دنیوی تعلیم سے متعلق ہے، دینی تعلیم سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔

الحمد للہ! ثم الحمد للہ! مسلم قوم دینی تعلیم میں بہت آگے ہے، ہر سال علماء، حفاظ، قراء اور مفتیان کرام کی اچھی خاصی تعداد مدارسِ اسلامیہ سے فارغ ہو کر قوم وملت کی خدمت میں مصروف ہو رہی ہے، جو اس قوم کے تابناک مستقبل کی غماز ہے۔

زید: بکر، جس تعلیم کی تم بات کر رہے ہو وہ ہمارے روشن مستقبل کی ضامن نہیں! بلکہ ہمارا مستقبل اس وقت روشن ہوگا، جب اس قوم میں ماہر ڈاکٹرس، انجینئرس، آفیسرس، ججس اور سائنٹسٹ پیدا ہوں گے، صرف علماء وفضلا تیار

کرنے سے بات بننے والی نہیں ہے۔

اور بکر، آپ تو اس کا مشاہدہ کرہی رہے ہیں کہ ایک طرف مولوی لوگ ہیں جو کنویں کے مینڈک کی طرح ہیں کہ صرف نورانی قاعدہ اور نحو وصرف لے کر بیٹھ گئے اور بس، اسی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مدرسہ سے فراغت کے بعد صرف دو تین ہزار تنخواہ پر اکتفاء کرنا پڑتا ہے، مجھے تو تم مولویوں کی حالت پر ترس آتا ہے، کہ تمہارے بچے اتنے ہوتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمہارے گھر آوے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ بچوں کے گھر (اقامتی درسگاہ) میں آیا ہے، اور جب تمہارے بچے گھر سے نکلتے ہیں تو ایسا لگتا ہے گویا اسکول کی چھٹی ہوئی ہے، اور تنخواہ دیکھو تو صرف چند ہزار روپئے۔ اتنی کم تنخواہ پر تم مولوی لوگ کیسے گزارہ کرتے ہو؟

اسی لیے میں کہتا ہوں کہ اگر ہمیں اس دنیا میں دیگر قوموں کے شانہ بشانہ ترقی کی منزلیں طے کرنی ہیں، اور ایک زندہ قوم کی حیثیت سے عزت وشرافت کی زندگی گزارنی ہے، تو اس قوم کو دنیوی علوم کے میدان میں آگے آنا ہوگا، سائنس، طب ٹیکنالوجی اور دیگر علومِ عصریہ میں مہارت پیدا کرنا ہوگی، تاکہ قوم میں اچھے سے اچھے ڈاکٹر انجینئر، آفیسرس، سائنٹسٹ اور جج پیدا ہوں، اور قوم دیگر اقوام کی طرح خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی بسر کرسکے، اور اس قوم کے بارے میں مثال دی جاوے:

"مسلم قوم کی پانچوں انگلیاں گھی میں ہیں!"

ورنہ ذلت ورسوائی، جہالت وپس ماندگی ہی ہمارا مقدر ہوگی، اور ہمیں اپنے کیے پر آنسو

بہانے ہوں گے، اور ہمارا نہ کوئی پرسانِ حال ہوگا، اور نہ کوئی اشک سوئی کرنے والا۔

بکر: دانش ور صاحب! آپ کی تمام باتیں بکواس ہیں، آپ کا یہ کہنا کہ:

''ہمارا مستقبل اس وقت روشن ہوگا، جب اس قوم میں ڈاکٹر، انجینئر، آفیسر، جج اور سائنٹسٹ پیدا ہوں گے۔''

میں آپ سے پوچھتا ہوں، ہم جس دور کو اسلام کا تابناک اور روشن دور کہتے ہیں یعنی صحابہ کرام، تابعین اور تبعِ تابعین کا دور، کیا اس دور میں آج کل کی طرح ڈاکٹر، انجینئر، آفیسر، جج اور سائنٹسٹ موجود تھے؟......نہیں:......اس کے باوجود ہمارا وہ دور، روشن وتابناک تھا۔

اسی طرح آپ کا یہ کہنا کہ:...... ''مولوی لوگ کنویں کے مینڈک کی طرح ہیں جن کا ذہن محدود، محض چند ہزار تن خواہ پر گزران کرتے ہیں''...... درست نہیں ہے، کیوں کہ تم لوگ ظاہری ٹیپ ٹاپ، ٹائی بائی اور شوٹ بوٹ میں رہتے ہوں، مگر حقیقۃً ﴿خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ﴾ یعنی قسمہا قسم کے ٹینشن اور پریشانیوں میں مبتلا رہتے ہوں، تمہاری تن خواہ دس ہزار مگر تم دو بچوں کی کفالت بھی صحیح طور پر نہیں کرپاتے، اور تحدیدِ نسل کا نسخہ آزما کر اپنے آپ کو بنگاہِ شرع مجرم قرار دیتے ہوں، جب کہ مولوی لوگوں کی تن خواہ محض دو ہزار ہوتی ہے، مگر وہ بحمد اللہ دس بچوں کی کفالت بہتر طریقے سے کرتے ہیں، ان کی قلت میں برکت ہوتی ہے، اور تمہاری کثرت بے برکتی کا شکار!

الحمدللہ علی ذلک!

کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے :

ظاہر کو تم نہ جانچو، ذرا اندر بھی جا کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے؟ کیا چیز مر رہی ہے؟!

نیز آپ کی باتوں سے ایسا لگ رہا ہے کہ ہمارا وجود، ہماری عزت وترقی، ہمارا مستقبل، سب علومِ عصریہ سے وابستہ ہیں، جب کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ: ''اللہ ہی کسی قوم کو باقی رکھتا ہے اور وہی فنا کے گھاٹ اُتارتا ہے: ﴿هُوَ يُحْيِي وَيُمِيْتُ﴾ ...... عزت وذلت بھی اسی کے ہاتھ میں ہے:

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ، وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ، بِيَدِكَ الْخَيْرُ ، إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌO﴾ . (سورۂ آل عمران:۲۶)

''آپ کہیے! اے سارے ملکوں کے مالک! تو جسے چاہے حکومت دیدے، اور تو جس سے چاہے حکومت چھین لے، تو جسے چاہے عزت دے، اور تو جسے چاہے ذلت دے، تیرے ہی ہاتھ میں بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

مجذوب رحمۃ اللہ علیہ کیا خوب فرما گئے :

تمہاری قوم کی تو بنیاد ہی دین وایمان پر!!!!!!!!
تمہاری زندگی موقوف ہے تعمیلِ قرآن پر!!!!!!!
تمہاری فتح یابی منحصر ہے فضلِ یزداں پر!!!!!!!!!
نہ قوت پر، نہ کثرت پر، نہ شوکت پر، نہ سامان پر!

بکر: اس لیے آپ اپنے فکر وخیال کی اصلاح کر کے، سچے دل سے ربِ غفور کے سامنے توبہ کر لیجئے۔

زید (دانش ور): بھائی بکر، مجھے آپ کی باتوں سے اتفاق نہیں ہے، کیوں کہ آپ کی باتوں سے ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ علومِ عصریہ کی بالکل ہی ضرورت نہیں ہے، اور یہ علوم بالکل لغو وبے کار ہیں، اور قوم کا اس میدان میں آگے بڑھنا آپ کو انتہائی ناگوار ہے۔

(عمرو-فضولی- راستے سے گزر رہا تھا کہ زید اور بکر کو بحث ومباحثہ میں الجھا ہوا پایا تو بیچ میں ٹپک پڑا اور کہنے لگا:)

کیا بات ہے، تم دونوں کیوں بحث ومباحثہ کر رہے ہوں؟

عمرو (دونوں نے اپنی اپنی روداد سنائی، تو عمرو کہنے لگا):

ٹھیک ہے! اگر آپ اپنے اس فکری ونظری اختلاف کا شرعی حل چاہتے ہیں، تو چلیے، اس شہر میں ایک مفتی صاحب رہتے ہیں، جن سے میرے اچھے تعلقات ہیں، وہ بڑے ذہین، فطین، حاضر جواب، علومِ شرعیہ سے واقف اور نباضِ وقت ہیں، وہ آپ دونوں کے اس اختلاف کا شرعی حل پیش فرما کر، آپ کو مطمئن کر دیں گے۔

(**زید** اور **بکر** یک زبان ہو کر):

ٹھیک ہے عمرو! ہم سب مفتی صاحب کے پاس چلنے کے لیے تیار ہیں۔

عمرو: تو چلو پھر دیر کس بات کی!؟

عمرو، زید اور بکر: (تینوں مفتی صاحب کے پاس پہنچ کر):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کہیے جناب! کیسے آنا ہوا؟ آپ لوگوں کے مزاج تو بخیر ہیں؟ کیا کوئی مسئلہ درپیش ہے کہ آپ لوگ ہانپتے کانپتے، یہاں پہنچے ہوں؟!

(عمرو-فضولی- زید اور بکر کی پوری داستان مفتی صاحب کے سامنے بیان کرتا ہے۔)

عمرو: حضرت مفتی صاحب!

زید کا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں کا روشن مستقبل، وجود وبقاء، عزت وسرخروئی اور فلاح وترقی، عصری علوم کے حاصل کرنے اور اس میں سبقت لیجانے پر منحصر ہے، اور دینی علوم میں اس کی ضمانت نہیں ہے۔...... جب کہ بکر زید کے اس نقطۂ نظر کے بالکل مخالف ہے، اس کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کو عصری علوم کی قطعاً ضرورت نہیں، کیوں کہ مسلمانوں کا روشن مستقبل، وجود وبقاء، عزت وسرخروئی اور فلاح وترقی، ایمان، علمِ شرعی، عملِ صالح، تقویٰ وطہارت اور اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر موقوف ہے، نہ کہ دنیوی علوم پر،...... بلکہ دنیوی علوم پر ''علم'' کا اِطلاق ہی غلط ہے۔

اب آپ شریعت کی روشنی میں ان دونوں کے اس اختلافِ نظر وفکر کو دور فرما کر ہم سب کو ممنون ومشکور فرمائیں!

مفتی صاحب : محترم زید صاحب!

بکر صاحب نے جو باتیں کہیں، وہ بالکل بجا ہیں، اس لیے کہ ہمارے مستقبل کا روشن وتابناک ہونا، عصری علوم پر نہیں، بلکہ ایمان وعملِ صالح پر موقوف ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ﴾ . ''اور اگر بستیوں والے ایمان لے آئے ہوتے اور پرہیزگاری اختیار کی ہوتی تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔'' (سورۂ اعراف:۹۶)

اسی طرح ہماری عزت وسرخروئی، رفعت وبلندی، فنا اور بقاء، ایمانِ کامل کے ساتھ مشروط ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ .

''تم ہی غالب رہوگے اگر تم مومن رہے۔'' (سورۂ آل عمران:۱۳۹)

﴿وَتِلْكَ الْقُرٰىٓ أَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا﴾

''اور یہ بستیاں وہ ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر ڈالا جب انہوں نے ظلم کیا، اور ہم نے ان کی ہلاکت کے لیے ایک وقت متعین کیا تھا۔'' (سورۂ کہف:۵۹)

اسی طرح زید کا یہ کہنا کہ ''علم'' سے، علومِ دینیہ ہی مراد ہیں، یہ بھی بالکل صحیح ہے، کیوں کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ- ''فتح الباری: ۱/۱۸۶'' پر، ارشادِ خداوندی: ﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ایمان وعلم کے سببِ رفعِ درجات کا مطلب- کثرتِ ثواب ہے، جس کی وجہ سے درجات بلند ہوتے ہیں، اور بلندیٔ درجات؛ درجاتِ معنوی وحسّی دونوں کو شامل ہے، یعنی اللہ رب العزت اہلِ ایمان وعلم کو دنیا میں بھی اونچے مقام ومرتبہ، اور مقبولیتِ عامہ سے نوازتے ہیں، اور آخرت میں بھی جنت میں اس کا مقام بلند وبالا ہوگا،...... اور ''علم'' سے مراد ''علمِ شرعی'' ہی ہے، جس کا مدار علمِ تفسیر، علمِ حدیث اور علمِ فقہ پر ہے۔''

ما في " فتح الباري لإبن حجر العسقلاني " : اَلْمُرَادُ بِالْعِلْمِ ؛ اَلْعِلْمُ الشَّرْعِيُّ : اَلَّذِيْ يُفِيْدُ مَا يَجِبُ عَلَى الْمُكَلَّفِ ؛ مِنْ أَمْرِ دِيْنِهٖ فِيْ عِبَادَاتِهٖ وَمُعَامَلاتِهٖ . وَالْعِلْمُ بِاللّٰهِ وَصِفَاتِهٖ ، وَمَا يَجِبُ لَهٗ مِنَ الْقِيَامِ بِأَمْرِهٖ وَتَنْزِيْهِهٖ عَنِ النَّقَائِصِ ، وَمَدَارُ ذٰلِکَ عَلَى التَّفْسِيْرِ وَالْحَدِيْثِ وَالْفِقْهِ . (۱/۱۸۷)

ما في " أحكام القرآن للتهانوي " : يَرْفَعِ اللّٰهُ بِهَا الْعَالِمَ وَالطَّالِبَ لِلْحَقِّ . (۵/۲۳)

علم سے علمِ شرعی کے مراد ہونے پر، ''صحیح مسلم'' اور ''سننِ ابن ماجہ'' کی یہ دونوں حدیثیں بھی شاہد ہیں:

۱-...... " مَنِ الْتَمَسَ طَرِيْقًا يَّلْتَمِسُ فِيْهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللّٰهُ لَهٗ طَرِيْقًا إِلَى الْجَنَّةِ " . ''جو شخص کسی ایسے راستہ کا متلاشی ہو، جس میں وہ علم کو تلاش کرے، اللہ رب العزت اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمادیتے ہیں۔''

۲-...... " طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ".

''علمِ دین کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔''

ان دونوں حدیثوں میں جس ''علم'' کا ذکر ہے، وہ علمِ شرعی ہی ہے۔ نیز عرف وعادت میں بھی ''علم'' سے، علمِ دینی ہی مراد ہوتا ہے، جن فنون کو لوگ علم سے موسوم کرتے ہیں، ان کے جاننے والوں کو، عالم صاحب، حافظ صاحب، قاری صاحب نہیں کہا جاتا، بلکہ وہ انہی فنون کی طرف منسوب ہوکر، ڈاکٹر صاحب، انجینئر صاحب، میکینکل صاحب، سائنسٹ صاحب وغیرہ کہلاتے ہیں۔

غرضیکہ ''علم'' سے علمِ شرعی کا مراد ہونا، نہ صرف کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ سے ثابت ہے، بلکہ عرف ورواج بھی اس پر شاہدِ عدل ہے، اور اس میں کوئی دورائے نہیں ہیں، اور اگر ہو، تو اختلاف نہیں، بلکہ خلاف ہے۔

لیکن اِن تمام باتوں کے باوجود- کہ ہمارا مستقبل، ہماری عزت ورفعت اور ہماری فلاح وترقی، ایمان، عملِ صالح، علومِ دینیہ اور طاعت کے ساتھ وابستہ ہے۔ اِس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کہ علومِ عصریہ کا حاصل کرنا، نہ صرف مباح، بلکہ فرضِ کفایہ ہے، جیسا کہ ارشادِ خداوندی: ﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ﴾. اور ﴿وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ﴾. سے صنعتِ زرہ سازی،......اور ﴿وَأَسَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ﴾ سے مختلف مصنوعات، مثلاً: برتن اور دیگر ضروری اشیاء کی صنعت،......اور ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا﴾ سے، کشتی وجہاز سازی وغیرہ کی صنعت کی اباحت،......اور ﴿وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ

هٰذَا عَـذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰـذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَّجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا﴾ . اور﴿مَـرَجَ الْبَـحْـرَيْنِ يَلْتَـقِيَـانِ بَيْنَهُمَـا بَـرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ﴾ سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم کی اہمیت وافادیت ثابت ہوتی ہے۔

صاحبِ درمختار علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرضیتِ تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

" وَاعْلَـمْ أَنَّ تَعَـلُّمَ الْعِلْمِ يَكُوْنُ فَرْضَ عَيْنٍ : وَهُوَ بِقَدْرِ مَا يَحْتَاجُ لِدِيْنِهٖ . وَفَرْضَ كِفَايَةٍ : وَهُوَ مَا زَادَ عَلَيْهِ لِنَفْعِ غَيْرِهٖ " .

"علم کا حاصل کرنا فرضِ عین اور فرضِ کفایہ ہے، آدمی اپنے دین کے لیے، جس قدر علم کا محتاج ہے، اس کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے، اور اس سے زائد دوسروں کی نفع رسانی کے لیے، جس علم کا محتاج ہے، اس کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔"

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکۃ الآرا تصنیف " رد المحتار – المعروف بـ " الشامي " میں "درمختار" کی عبارت: " فرض كفاية وهو ما زاد عليه لنفع غيره " کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فرضِ کفایہ علمِ دینی ودنیوی دونوں کو شامل ہے، علمِ دینی: جیسے نمازِ جنازہ۔ اور علمِ دنیوی: جیسے ضروری مصنوعات کا علم۔ صاحبِ "تبیین المحارم" فرماتے ہیں کہ: فرضِ کفایہ سے مراد ہر ایسا علم ہے، جس کے بغیر دنیوی اُمور انجام پذیر نہیں ہوسکتے، مثلاً: طب، حساب، اور اصولِ صناعت وزراعت وغیرہ۔"

وَفَـرْضُ كِـفَـايَةٍ : يَتَـنَـاوَلُ مَـا هُـوَ دِيْـنِـيٌّ كَـصَلَاةِ الْجَنَازَةِ ، وَدُنْيَوِيٌّ كَالصَّنَائِعِ الْمُحْتَاجِ إِلَيْهَا ؛ .... قَالَ فِي تَبْيِيْنِ الْمَحَارِمِ : وَأَمَّا فَرْضُ

الْكِفَايَةِ مِنَ الْعِلْمِ ، فَهُوَ كُلُّ عِلْمٍ لا يُسْتَغْنَى عَنْهُ فِي قِوَامِ أُمُوْرِ الدُّنْيَا كَالطِّبِّ وَالْحِسَابِ .... وَأُصُوْلِ الصَّنَاعَاتِ وَالْفَلَّاحَةِ كَالْحِيَاكَةِ وَالسِّيَاسَةِ وَالْحِجَامَةِ . اهـ . (رد المحتار: ۱/۱۲۶)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علمِ دین کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے، اسی میں ہماری بقا وفلاح اورعزت وترقی مضمر ہے۔اورعلومِ دنیویہ (فنون) کا حاصل کرنا نہ صرف جائز ومباح، بلکہ فرضِ کفایہ ہے۔

ہمارے اورغیروں کی ترقی کے اصول جدا جدا ہیں۔غیر چوں کہ احکامِ شرعیہ کے مکلّف نہیں، اس لیے دنیوی ترقی کے لیے انہوں نے جوغیر شرعی اصول اَپنا رکھے ہیں، دنیا میں ان پر اس کا کوئی وبال نہیں ہوگا،اور وہ ترقی کی منزلیں طے کرتے چلے جائیں گے، جب کہ مسلمان شریعت کے مکلّف ہیں، اگر وہ اصولِ شرعیہ کوچھوڑ کر، غیر شرعی اصولوں کواپنا کر، ترقی کرنا چاہتے ہیں،تو وہ کبھی بھی ترقی نہیں کرسکتے،اوراگر کچھ ترقی کربھی لی،تو وہ پائیدارنہیں ہوسکتی۔

...... خُذْ مَا صَفیٰ وَدَعْ مَا كَدِرُ ......

...... اَلْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ حَيْثُ مَا وَجَدَ فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا ......

”إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ ، وَدِيْنَكُمْ وَاحِدٌ ، وَنَبِيَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَلا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ ، وَلا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ ، وَلا أَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ ، وَلا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ — إِلَّا بِالتَّقْوٰى “۔

(الحدیث)

(۴)

مکالمہ بابت:

بندوں کے حقوق

کردار:

(۱)مفتی صاحب اول:(حامد)

(۲)مفتی صاحب ثانی:(ماجد)

(۳)والدمع ولد:(زاہد/خالد)

(۴)ولدمع والد:(خالق/جاوید)

(۵)بہن کاوکیل بھائی مع بہنوئی:(ساجد/عادل)

(٦)دامادمع خسر:(شاکر/صابر)

(۷)خسرمع ولد،بہوکاشکوہ لےکر:(عابد/عاقب)

(۸)بہنوں کاوکیل مع بھائی:(عاطف/عاکف)

(۹)پڑوسی مدعی مع مدعی علیہ:(راشد/شاہد)

(۱۰)پرنسپل مع ٹیچر:(ثاقب/ثابت)

(۱۱)سیٹھ مع مزدور:(ذاکر/واجد)

مقدمہ (۱)

(۱) والد(زاھد): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کہیے جناب مزاج بخیر ہیں؟ کیسے آنا ہوا؟

زاھد: عالی جناب مفتی صاحب! یہ میرا لڑکا (خالد) ہے،لیکن مجھے اس سے بڑی شکایات ہیں، میں نے اسے چھوٹے سے بڑا کیا، انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا، اس کی تعلیم وتربیت کیلئے رات دن محنت ومشقت اٹھائی، اور اسے جوہر تعلیم سے آراستہ کرکے، آسمان پر اڑنے کے خواب دکھائے، اور آج جب یہ اپنی اعلیٰ تعلیم کی بنیاد پر آئی ، ایس آفیسر (I.S.Officer) بن گیا، تو ہمارے ساتھ اس کے طور طریق بالکل بدل چکے ہیں، نہ اسے ہمارے ادب واحترام کا خیال ہے، اور نہ ہی حقوق والدین کا پاس ولحاظ، کبھی سیدھے منہ نہ بات کرتا ہے، اور نہ ہی ہمارے حقوق کو ادا کرتا ہے، بلکہ اپنے دوست واحباب کے سامنے بارہا اس فکر کا اظہار کرچکا کہ ابھی تو ان دونوں بوڑھا بوڑھی کو مکان میں رہنے دے رہا ہوں، لیکن کل جب میری شادی ہوجائے گی، تو ان دونوں کو اولڈ ہاؤس (Old House) میں داخل کردوں گا،لیکن ان باتوں کے باوجود میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا یہ لختِ جگر، نورِ نظر، کل قیامت کے دن جہنم کا ایندھن نہ بنے، اس لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، کہ آپ اسے سمجھائیے، کہ ماں باپ اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہیں، اور آدمی ان کی خدمت کرکے، کس طرح اللہ کی رضا اور اس کی جنت کو

حاصل کرسکتا ہے، شاید کہ آپ کی بات اس کے دل میں اتر جائے، اور میرا یہ لختِ جگر، نورِ نظر جہنم کی آگ سے بچ جائے۔

(۱) مفتی حامد صاحب (لڑکے –خالد– سے مخاطب ہوکر):

خالد! تمہارا اپنے والدین کے حقوق کا پاس ولحاظ نہ کرنا، ان سے سیدھے منہ بات نہ کرنا، دوست واحباء کے سامنے ان کو بوڑھا بوڑھی کہنا اور ان کو اولڈ ہاؤس (OLD HOUSE) میں بھیجنے کی بات کرنا والدین کے ساتھ نہایت بد تہذیبی وبدسلوکی ہے، جب کہ انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا تاکیدی حکم دیا گیا ہے، سورۂ احقاف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَوَصَّيْنَا الإنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا﴾ . ''اور ہم نے انسان کو حکم دیا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے''۔ (سورۂ احقاف:۱۵)

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے: ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ، إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَآ أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا﴾ .

''اور تیرے پروردگار نے حکم دے رکھا ہے، کہ بجز اسی کے کسی اور کی پرستش نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک رکھنا، اگر وہ تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں ان دونوں میں سے ایک یا وہ دونوں تو، تو ان سے ہوں بھی نہ کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے ادب کے ساتھ بات چیت کرنا۔'' (سورۂ بنی اسرائیل:۲۳)

اس آیت کے اندر اللہ تعالیٰ نے والدین کے جو حقوق بیان فرمائے، وہ یہ ہیں:

(۱) والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ (یعنی نوکروں، غیروں اور اولڈ ہاؤس کے رحم وکرم پر انہیں مت چھوڑو)۔

(۲) والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔

(۳) ان کے حق میں دعائے رحمت ومغفرت کرتے رہو۔

﴿وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيْرًا﴾ . (بني اسرائيل: ۲۴)

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ﴾ . (سورۂ ابراهيم : ۴۱)

اِس آیت سے یہ بھی پتہ چلا کہ اسلام کی نگاہ میں ذاتِ خداوندی کے بعد، والدین کا مقام ومرتبہ ہے، اس لیے قرآنِ کریم اور سنتِ طیبہ نے جہاں اللہ کی توحید کو بیان کیا، وہاں حقوق العباد میں سب سے پہلے والدین کے حقوق، اور اُن کی اہمیت کو بیان کیا- کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق ہے، لیکن ظاہری طور پر مادی لحاظ سے، والدین بھی اِس عملِ تخلیق میں ایک حدتک شریک ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا:

﴿مَا حَقُّ الْوَالِدَيْنِ ؟﴾ — ”والدین کا کیا حق ہے؟“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”هُمَا جَنَّتُکَ وَنَارُکَ“ .

”وہ دونوں تمہاری جنت ہیں اور تمہاری جہنم ہیں۔“

یعنی والدین ہی کے حوالے سے معاشرہ بنتا بھی ہے، اور بگڑتا بھی، اور یہی وہ نعمت ہے، جس کی قدر کر کے، قومیں دنیا میں سرفراز ہوتی ہیں۔

لہٰذا خالد! تم اپنے والدین کو ستانے سے بچو، کیوں کہ ممکن ہے، تم آج ان کو

ستاؤں گے، کل کوتمہاری اولاد تمہیں ستائے گی، جیسا کہ آئے دن اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔

آج مغربی معاشرہ نے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنا کر، اولاد اور ماں باپ کے درمیان فاصلہ اور جنریشن پیدا کر دیا ہے، اسی لیے اکبر مرحوم نے بہت پہلے اس پر احتجاج کرتے ہوئے یہ کہا تھا: ؎

ہم ایسی کل کتابیں لائق ضبطی سمجھتے ہیں!
جسے پڑھ پڑھ کے بچے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں!

خالد: جزاک اللہ مفتی صاحب! آپ نے مجھ نادان کو جہنم کا ایندھن بننے سے بچالیا، آج سے میں توبہ کرتا ہوں کہ اب کبھی اپنے والدین کو نہیں ستاؤں گا۔

مقدمہ (۲)

(۲) لڑکا (خالق): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کہیے جناب! خیریت سے ہیں؟ آج دونوں باپ بیٹے کہاں نکل آئے؟

خالق: جناب مفتی صاحب! یہ میرے والد صاحب ہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ میرے اس دنیا میں آنے کا سبب ہیں، اور باپ جنت کا دروازہ ہے، مگر مجھے انہیں ابا کہنے میں بھی شرم محسوس ہوتی ہے، کیوں کہ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے، جب سے مجھ میں شعور بیدار ہوا، تب سے آج تک یہ مجھے ہمیشہ کوستے رہے، اور میرے وجود کو بجائے رحمت کے زحمت سمجھتے رہے، اور بار بار یہ طعنہ دیتے رہے،

کہ تیری کفالت وپرورش کے لیے مجھے اپنی غیرتِ نفسی کو خیر باد کہنا پڑا، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر، تیری ضرورتوں کی تکمیل کرنا پڑی، میں نے جب جب ان کے سامنے کسی عربی مدرسہ یا سرکاری اسکول میں تعلیم کی خواہش کا اظہار کیا، انہوں نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دیا، اور کہا کہ تم کھیتی باڑی میں کام کرو، یا محنت مزدوری کر کے پانچ، پچیس روپیہ روزانہ گھر میں لا کر دو، پڑھ لکھ کر کیا کروگے؟ کیا مسلمانوں کو نوکریاں ملتی ہیں؟ دیکھو اپنے محلے میں کتنے لڑکے عالم فاضل، بی اے، بی کام کی ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود، آوارہ پھر رہے ہیں، **حضرت مفتی صاحب!** آپ میرے والدِ محترم کو بتلائیے کہ اولاد اللہ کی کتنی بڑی نعمت ہے! اور والد پر اولاد کے کیا کیا حقوق ہیں؟

(۲) مفتی حامد صاحب (والد سے مخاطب ہوکر):

جاوید! آپ کا اپنی اولاد کو کوسنا، ان کے وجود کو بجائے رحمت کے زحمت سمجھنا، اور بار بار یہ طعنہ دینا کہ تیری کفالت وپرورش کے لیے مجھے اپنی عزت نفس کو خیر باد کہنا پڑا، لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑا، درست نہیں ہے، کیوں کہ حدیث میں ہے کہ: "فَإِنَّمَا تُنْصَرُوْنَ وَتُرْزَقُوْنَ بِضُعَفَآئِكُمْ" . "تمہاری مدد کی جاتی ہے، اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے تمہارے کمزوروں کی وجہ سے۔"

(ریاض الصالحین:ص/٦۲)

اسی طرح اپنی اولاد کو تعلیم نہ دلوا کر، اُنہیں کھیتی باڑی یا مزدوری وغیرہ میں لگا دینا، اور یہ کہنا کہ پڑھ لکھ کر کیا کروگے؟ وغیرہ، یہ سب نامناسب کلمات ہیں، جن سے

بچنا چاہیے۔میں آپ کے سامنے اولاد کے چند حقوق عرض کیے دیتا ہوں:

(۱)اولاد کو زحمت ،مصیبت ، بے قیمت خود کاشتہ پودا نہ سمجھیں ، بلکہ یہ اللہ کی بیش بہا نعمت ہے، اس کی ایسی ہی قدر کی جانی چاہیے، جیسے کسی بیش بہا نعمت کی قدر کی جاتی ہے۔

(۲)اولاد کو فقر وفاقہ اور تنگی کا سبب نہ سمجھیں ،کیوں کہ غربت اور فقیری، امیری اور مالداری یہ سب انسان کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی لکھا جا چکا ہوتا ہے۔

(۳)جب اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتِ اولاد عطا کرے،تو اس کی قدر دانی کا کم ازکم تقاضا یہ ہے کہ اس کی بہتر پرورش کی جائے ، اس کی ضروریات مہیا کی جائے ، پیدائش کے بعد کان میں موبائل فون کی رنگ ٹون سنانے کی بجائے، اَذان دی جائے ،تحنیک ، دعائے برکت، ساتویں دن عقیقہ ، اور بہتر سے بہتر نام رکھا جائے ،غلط باتوں پر سمجھائیں،محبت میں چھوٹ نہ دیں، کیوں کہ اولاد جہاں نعمت ہے،وہاں آزمائش بھی ہے، ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ . (سورۂ تغابن: ۱۵)

﴿إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ﴾ . (تغابن:۱۴)

﴿لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَآ أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ . (منافقون:۹)

(۴) آخرت کے اعتبار سے ان کی فکر کی جائے ،کیوں کہ حکمِ خداوندی ہے:

﴿قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ . (سورۂ تحریم : ٦)

(۵) ان کے لیے دعا کی جائے، ارشادِ ربانی ہے:

﴿رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ﴾ . (سورۂ ابراهیم : ۴۰)

(۶) بوقتِ مرگ نیکیوں کی وصیت کریں، ارشاد ہے:

﴿إِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ ، قَالُوْا نَعْبُدُ إِلٰهَک وَإِلٰهَ اٰبَآئِکَ ....﴾ . (سورۂ بقرہ :۱۳۳)

(۷) نماز، روزوں کا حکم کریں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ﴾ . (سورۂ مریم : ۵۵)

اسی طرح ارشاد پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

" مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ إِذَا بَلَغَ سَبْعَ سِنِيْنَ ، وَإِذَا بَلَغَ عَشَرَ سِنِيْنَ فَاضْرِبُوْهُ عَلَيْهَا " . (سنن أبي داود :ص/۷۰)

(۸) ان کے ساتھ عزت وشفقت سے پیش آئیں، اور ان کو حسنِ ادب سے آراستہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

" أَكْرِمُوْا أَوْلَادَكُمْ وَأَحْسِنُوْا أَدَبَهُمْ " .

جاوید: جزاکم اللہ مفتی صاحب! میں ضرور بالضرور تعلیماتِ اسلامی پر عمل کروں گا، اور اپنی اولاد کے حقوق کو ادا کروں گا۔

مقدمہ (۳)

(۳) (بھائی -ساجد- اپنی بہن کی طرف سے وکیل بن کر بہنوئی -عادل- کے ساتھ دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

فرمایئے جناب! آج سالے بہنوئی دونوں کو کس امر نے دارالافتاء لے آیا ہے؟

بھائی (ساجد): جناب مفتی صاحب!

یہ میرے بہنوئی صاحب ہیں، ۲۰۰۵ء میں میری اکلوتی بہن، جو ہمارے پورے خاندان کی لاڈلی ہے، اور والدِ محترم نے (اللہ ان کو جنت نصیب کرے) بڑے پیار ومحبت سے اس کی پرورش کی، اور اپنے جیتے جی کبھی اسے تکلیف نہیں ہونے دی، اور اس خیال سے کہ شادی کے بعد بھی اسے کوئی تکلیف نہ ہو، میرے اس خالہ زاد بھائی عادل کے ساتھ اس کی منگنی کی، عمر نے وفا نہیں کیا، اور نکاح سے پہلے ہی اس دنیا سے رخصت ہوگئے، ہم نے ان کے اس کئے ہوئے رشتے کا پاس ولحاظ رکھا، اور عادل کے ساتھ اپنی اس پیاری بہن کا نکاح کردیا،لیکن کیا بتائیں؟ نکاح کے بعد سے لے کر آج تک ہماری اس بہن کو ذرا بھی سکھ وچین نصیب نہ ہوا، جس کی وجہ سے ہم سب کا چین وسکون بھی غارت ہوگیا، ادھر والدہ محترمہ کی حالت قابل رحم بن گئی، کہ جہاں انہیں اپنے رفیقِ حیات (والد محترم) کے اس دنیا سے رخصت ہونے کا غم ورنج کھائے جارہا ہے، وہیں اپنی اس اکلوتی بیٹی کی تکلیف ومصیبت دیکھ اور سن کر مسلسل آنسو بہاتی ہیں، میرا یہ

بہنوئی عادل نہ اپنی بیوی کا نفقہ ادا کرتا ہے، اور نہ ہی اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتا ہے، بلکہ جب کبھی میری بہن اپنی ضرورتوں کے لیے اس سے روپیہ پیسہ مانگتی ہے، تو یہ اسے زدوکوب کرتا ہے، طلاق کی دھمکی دیتا ہے، اور یوں کہتا ہے کہ تیرا باپ بہت کچھ چھوڑ کر مر گیا، جا اپنی ماں اور بھائیوں سے اپنی ضرورتوں کے لیے پیسے لے آ، اتنا ہی نہیں! بلکہ میری اس بہن سے پورا گھر خدمت لیتا ہے، کیا ساس تو کیا خسر، کیا دیور تو کیا نند، ہر کوئی اسے آرڈر (Order) کرتا ہے، اور ان کے آرڈر کو پورا کرنا فرض ہوتا ہے۔

مفتی صاحب! آپ میرے بہنوئی کو بتائیے کہ:

بیوی کے شوہر کے ذمہ کیا کیا حقوق ہیں؟

اور گھر میں کن کن لوگوں کی خدمت اس کے ذمہ واجب ہے؟

(۳) مفتی حامد صاحب (بہنوئی سے مخاطب ہوکر):

عادل صاحب! آپ کا اپنی اہلیہ محترمہ کو زدوکوب کرنا، طلاق کی دھمکی دینا، اس سے پیسوں کا مطالبہ کرنا، اور نفقہ ادا نہ کرنا، اس کی ضروریات کا خیال نہ رکھنا، نہایت ہی ناروا، اور سنگین جرم ہے، کیوں کہ شریعت نے عورتوں کے یہ حقوق بیان کیے ہیں:

(۱) میراث: جس کی تصریح ارشاد باری تعالیٰ: ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ میں کی گئی ہے۔

(۲) مہر: جو نکاح کی صورت میں شوہر سے وصول کیا جاتا ہے، مہر کا ادا کرنا

شوہر پرلازمی ہے،خواہ معجّل یعنی بوقت نکاح ہو،یا موٴجّل یعنی بعد میں۔

ارشادِخداوندی ہے:﴿وَاٰتُوْا النِّسَآءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ .

''اورتم لوگ بیویوں کوان کے مہرخوش دلی سے دے دیا کرو''

﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَآتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً﴾ .

''پھرجس طرح تم ان عورتوں سے متمتع ہوئے ہوتو ان کوان کے مہر دو، جو کچھ مقدر ہو چکے ہیں۔'' (سورۂ نساء:۲۴)

ہاں !اگر بیویاں خود پورا، یا کچھ مہرخوش دلی سے معاف کردیں،تو پھراس میں کوئی حرج نہیں۔

(۳)**نفقه**: بیوی کا نفقہ اورخرچ شوہر پرلازم ہے۔

ارشادِنبوی ہے:'' أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ ، وَتَكْسُوْهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ ، وَلا تَضْرِبِ الْوَجْهَ ، وَلا تُقَبِّحْ ، وَلا تَهْجُر إِلا فِيْ الْبَيْتِ '' . ''جب تو کھائے،تو اُسے کھلائے،اورجب تو پہنے،تو اسے پہنائے،اوراس کے منہ پر نہ مارے،اوراسے برانہ کہے،اورگھر کے سوااس سے علیحدگی اختیار نہ کرے۔''

پتہ چلا کہ بیوی کی ضروریات زندگی کی کفالت،یعنی علاج وغیرہ کا خرچ مرد کے ذمہ ہے،جس میں کھانے پینے کے ساتھ ساتھ سُکنیٰ یعنی مکان بھی شامل ہے۔

(۴)بیویوں کے ساتھ حسن سلوک یاحسن معاشرت اختیار کرنا۔

ارشادِخداوندی ہے: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ .

''اوربیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کیا کرو۔'' (سورۂ نساء:۱۹)

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کاارشادہے: ”اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا“ .

”عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے بارے میں میری وصیت کوقبول کرو۔“

نیزآپ نے فرمایا: ”وَخِيَارُكُمْ ؛ خِيَارُكُمْ لِنِسَآئِهِمْ“ .

”اورتم میں سے بہتر وہ ہے جواپنی بیویوں کے ساتھ سب سے بہترہو۔“

عادل: جزاکم اللہ!حضرت مفتی صاحب!

......میں وعدہ کرتاہوں کہ آج سے اپنی بیوی کے ساتھ اچھاسلوک کروں گا،اور اس کے پورے پورے حقوق اداکروں گا۔اِن شاءاللہ!

مقدمہ (٤)

(**٤**) (داماد-شاکر- اپنے خسر-صابر- کے ہمراہ دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

فرمایئے!جناب مزاج بخیرہیں؟

آج دامادوخسرایک ساتھ دارالافتاءحاضرہوئے،خیریت توہیں؟

داماد (شاکر): جناب مفتی صاحب!

یہ میرے خسرمحترم ہیں،ان کی صاحب زادی میرے عقدِنکاح میں ہے،یہ خود توبڑے دین دارانسان ہیں،مگرکیابتاؤں اُن کی صاحب زادی لگتاہے”شیطان کی خالہ“ ہے،جب سے شادی ہوئی میری مسرت وشادمانی سے بھری زندگی بالکل ویران ہوچکی ہے،جینادوبھرہوگیاہے،گھرجہنم بن گیا،نہ باہرسکون ہے نہ

اندر، جب آفس سے اپنے کام کاج پورے کر کے گھر میں داخل ہوتا ہوں، تو یہاں ایک دوسرا محاذ پہلے سے ہی کھلا ہوتا ہے، اور اس محاذ پر اُن کی صاحب زادی اِن کلمات کے ساتھ میرا بھرپور استقبال کرتی ہے، کہ بیوی کے بھی حقوق ہوتے ہیں، ان کو ادا کرنے کی فکر کیجئے، ذرا اپنے پڑوسی کو دیکھئے کہ کیسے اپنی بیوی کا خیال رکھتے ہیں، مختلف ملکوں کی سیر وتفریح کے لیے لے جاتے ہیں، ایک سے ایک لباس پہناتے ہیں، اور قیمتی سے قیمتی زیورات خود جویلری کے یہاں لے جاکر دلاتے ہیں، اور تم ہو کہ بس عید الفطر پر ایک جوڑا جو سلوادیا، اور رخصتی کے موقع پر جو نقلی زیورات دلوادیئے، بار بار اسی کا احسان جتلاتے ہو، اتنا ہی نہیں! بات بات پر یہ کہتی ہے کہ میں آپ سے خلع لے لوں گی، نہ اپنی نظر کی حفاظت کرتی ہے، اور نہ میری عزت کی، نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ میری اطاعت کرتی ہے۔

مفتی صاحب! آپ ان کے والد کو سمجھائیے کہ وہ اپنی بیٹی کو شوہر کے حقوق ادا کرنے کی تاکید کریں، ورنہ بصورتِ دیگر میں اسے طلاق دے دوں گا۔

(۴) مفتی حامد صاحب (خسر سے مخاطب ہوکر):

جناب صابر صاحب! آپ اپنی صاحب زادی کو سمجھائیے کہ وہ اپنے شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری کرے، اپنی نظر کی حفاظت کرے، نماز روزہ کی پابندی کرے، اور اسے یہ بتائیے کہ انسانی معاشرت کی اَساس اور بنیاد خاندان ہے، اور خاندان کا آغاز میاں بیوی کے مقدس رشتے سے ہوتا ہے، اور انہیں بنیادوں پر معاشرے کی پرشکوہ عمارت اور تہذیب وتمدن کا خوبصورت محل تعمیر ہوتا ہے،

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے: ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ .

''مرد عورتوں کے نگراں ہیں۔'' (سورۂ نساء: ۳۴)

اورحدیثِ پاک میں وارد ہے: '' اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى أَهْلِهٖ وَمَسْئُوْلٌ '' .

''مرد اپنے اہلِ خانہ کا نگران ہے، اور اسی سے نگرانی کے حوالے سے سوال کیا جائے گا۔''

مرد کو بیوی پر جو حقوق حاصل ہیں، اُن کی بنیاد مرد کا قوام ہونا، اور گھر والوں کا اُس کی اِس حیثیت اور کردار کو تسلیم کرنا ہے، نہ یہ کہ عورت مرد بن کر زندگی گزارے، اور اُس کا دائرۂ کار بھی مرد کی طرح ہو، (جیسا کہ آزادئ نسواں کا پُرفریب نعرہ اور مساوات کے نعرہ سے آج عورتوں کو بے وقوف بنایا جارہا ہے)۔

شریعتِ اسلامیہ نے عورت پر مرد کے جو حقوق عائد کیے ہیں، میں آپ کی سماعت کے حوالہ کرتا ہوں، آپ گھر جاکر اپنی صاحب زادی کے گوش گزار کردینا:

(۱) مرد کا سب سے پہلا حق......اُس کی اپنی بیوی پر ''برتری'' ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ .

''مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے۔'' (سورۂ بقرہ:۲۲۸)

اورحدیثِ پاک میں ہے:'' أَعْظَمُ النَّاسِ حَقًّا عَلَى الْمَرْأَةِ زَوْجُهَا '' .

''لوگوں میں سب سے زیادہ حق عورت پر اس کے شوہر کا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: '' لَوْ كُنْتُ آمُرُ أَحَدًا أَنْ يَّسْجُدَ لأَحَدٍ لأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا '' . ''اگر میں (اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا، تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔''

(۲) مرد کا دوسرا حق...... بیوی شوہر کی اطاعت وفرماں برداری کرے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ﴾ . ''پس جو نیک ہیں وہ فرمانبرداری کرنے والی ہیں۔'' (سورۂ نساء:۳۴)

(۳) تیسرا حق......مرد کی عزت وناموس اور رازوں کی حفاظت کرے۔

ارشاد ہے: ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ﴾ . ''یعنی وہ رازوں کی حفاظت کرنے والی۔'' (سورۂ نساء:۳۴)

اور ہر اُس چیز کی حفاظت کرنے والی ہیں، جو شوہر کی غیر موجودگی میں بطورِ امانت عورت کے پاس رہے، (جس میں نسب، آبرو، مال اور راز وغیرہ، نیز عفت وپاک دامنی کی حفاظت داخل وشامل ہے)۔

ارشادِ نبوی ہے:" خَيْرُ النِّسَآءِ اِمْرَأَةٌ إِذَا نَظَرْتَ إِلَيْهَا سَرَّتْکَ ، وَإِذَا أَمَرْتَهَا أَطَاعَتْکَ ، وَإِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْکَ فِيْ مَالِکَ وَنَفْسِهَا " .

(۴) چوتھا حق،''حقِ طلاق'' ہے۔

ارشادِ خداوندی ہے: ﴿بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ . ''نکاح کی گرہ شوہر کے ہاتھ میں ہے۔'' (سورۂ بقرہ:۲۳۷)

حاصلِ کلام یہ کہ،......مرد کو ناگزیر حالات میں طلاق کا اختیار دیا گیا ہے۔

صابر : حضرت مفتی صاحب! شکریہ! میں ضرور بالضرور اپنی بچی کو اس کے شوہر کے حقوق کی ادائیگی کی تاکید کروں گا۔

مقدمہ (۵)

(۵) (خسر-عابد-اپنی بہو کا شکوہ لے کر اپنے بیٹے-عاقب-کے ہمراہ دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

فرمایئے جناب! خیریت تو ہیں؟!

خسر (عابد): جناب مفتی صاحب!

یہ میرا بیٹا ہے، مجھے اس کی بیوی سے بڑی شکایت ہے، کہ جب سے اس کے قدم میرے گھر میں پڑے، تب سے گھر کا پورا نظام تباہ وبرباد ہوگیا ہے، کیوں کہ میری بہو، میرا اور اپنی ساس کا کہنا نہیں مانتی، نہ ہم دونوں کی خدمت کرتی ہے، نہ ہمیں وقت پر کھانا پینا مہیا کرتی ہے، نہ ہمارے بستر اٹھاتی ہے، نہ ہمارے کمرے میں جھاڑو لگاتی ہے، دکھ درد میں راحت رسانی تو بہت دور کی بات ہے، بلکہ ایسی باتیں سناتی ہے، کہ اس تکلیف میں اضافہ ہوجائے، مثلاً- یہ کہتی ہے: کیا ہوا بڑھاپے میں اس طرح کی تکلیفیں ہوا کرتی ہیں، اسے برداشت کرو، صبر سے کام لو، صبر کا بڑا اَجر ہے، دوسرے بوڑھے لوگوں کو ذرا دیکھو کہ وہ کیسی کیسی مصیبتوں میں مبتلا ہیں، لیکن کبھی ان کی زبان سے حرف شکایت نہیں نکلتا، اور وہ خدائی فیصلے پر راضی برضا رہتے ہیں، اور تم ہو کہ ذرا تکلیف ہوئی تو زمین وآسمان سر پر اٹھا لیتے ہو، اور اپنے بیٹے، بہو، پوتا، پوتی کے آرام کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے، اور میرا یہ بیٹا اپنی بیوی کو کچھ نہیں بولتا، بلکہ اس کی طرف داری کرتا ہے، میں کہتا ہوں: ایسی

نافرمان غیر خدمت گذار بیوی کو طلاق دیدے،تو طلاق بھی نہیں دیتا،آپ ذرا اِسے سمجھائیے، کہ وہ اپنی بیوی کو ہماری خدمت وطاعت کی تاکید کرے۔

(۵) مفتی حامد صاحب (بیٹے سے مخاطب ہوکر):

بیٹا عاقب !...... ذرا اپنی ہوم منسٹر(HOME MINISTER)بیگم صاحبہ کوتاکید کرے، کہ وہ اپنے خسر اور خوش دامن کے ساتھ حسنِ سلوک اوراچھا برتاؤ کرے، کیوں کہ کل کوتم دونوں بھی کسی کے خسر اور خوش دامن بنوگے۔

مفتی صاحب خسر سے مخاطب ہوکر: عابد صاحب!

اگرآپ دونوں میاں بیوی اپنی بہوکو، اپنی بیٹی کی طرح سمجھتے ،تواس طرح کی شکایات کبھی بھی آپ کی زبان سے نہ نکلتیں، آج ہرگھر میں ساس بہو، اورخسر بہو کے درمیان بس اسی وجہ سے جھگڑااورشکوہ ہے کہ ہماری بہو ہمارا کہانہیں مانتی ، ہماری خدمت نہیں کرتی ، یہ سب شکوے شریعت سے ناواقفیت اور جہالت کی بنا پر ہیں، کیوں کہ ساس سسر کی خدمت اور طاعت بہو پر واجب اورضروری نہیں ہے، بلکہ اگر وہ ساس سسر کی خدمت کرتی ہے،تو یہ اس کا سراپا احسان ہے، ویسے بھی گھر کا کام کاج اور کھانا پکانا، بہو کی قانونی ذمہ داری نہیں، بلکہ اخلاقی ذمہ داری ہے، اس لیے کہ خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات گھر کی ذمہ داریاں ادا کرتی تھیں، اور صحابہ کے گھروں کا بھی یہی معمول تھا، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی بیٹیوں کا طرزِ زندگی بھی یہی رہا، خاص طور پر حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کی تمام ذمہ داریاں بذاتِ خود انجام دیتی تھیں۔

عابد: شکریہ مفتی صاحب!

……میں اس کے بعد کبھی اپنی بہو کے متعلق حرفِ شکایت زبان پر نہیں لاؤں گا، اور اس کی خدمت کو احسان تصور کروں گا، نہ کہ اپنا حق۔

❁……❁……❁

مقدمہ (۶)

(۶) (بہنوں کا وکیل -عاطف- بھائی -عاکف- کو لے کر دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاجِ عالی بخیر تو ہیں؟!

وکیل (عاطف): جناب مفتی صاحب!

میں ان تین بھائیوں کی دو بہنوں کا وکیل ہوں، بہنوں کی شکایت یہ ہے، کہ ان کے والد محترم کا انتقال ہوا، اور وہ اپنے پیچھے بڑی لمبی چوڑی جائیداد چھوڑ گئے ہیں، ان بھائیوں نے پوری جائیداد آپس میں تقسیم کرلی، اور بہنوں کو ان کا حقِ وراثت نہیں دیا، ان بھائیوں کا کہنا یہ ہے کہ بہنیں چوں کہ دوسروں کے گھر چلی گئیں، اس لیے باپ کے گھر ان کا کچھ بھی نہیں رہا، ہاں! عید، بارات کے موقع پر جب وہ میکے آتی ہیں، تو ہم انہیں کپڑے وغیرہ بنادیتے ہیں، جو ہماری طرف سے ان پر احسان ہے، رہی باپ کی جائیداد! تو اس میں ان کا کوئی حق نہیں ہے،

مفتی صاحب ! آپ ان بھائیوں کو یہ بتلائیے کہ باپ کی میراث میں بہنوں کا حق ہوتا ہے یا نہیں؟ بلکہ میں تو یہ چاہوں گا، کہ آپ اپنے دستِ مبارک سے اِن تین بھائیوں اور دو بہنوں کے درمیان پوری جائداد کو تقسیم کردیجئے۔

(۶) مفتی ماجد صاحب (بھائیوں سے مخاطب ہوکر):

عاکف ! ذاتِ باری تعالیٰ نے جہاں لڑکوں کو حقِ وراثت عطا کیا، وہیں لڑکیوں کو بھی اس حق سے بہرہ ور فرمایا، اور ماں باپ کے انتقال کے بعد جس طرح لڑکے اپنے والدین کے وارث ہوتے ہیں، اسی طرح لڑکیاں بھی اپنے والدین کی وارث ہوتی ہیں، ارشادِ ربانی ہے:﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ . ''اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتاہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے۔'' (سورۂ نساء:۱۱)

لیکن آج غیر مسلم دنیا، خصوصاً یوروپ کا یہ تصور ہمارے ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ-جب تک لڑکی ماں باپ کے گھر میں ہے، تو ماں باپ اُس کی ذمہ داریاں ادا کرنے پر مجبور ہیں، لیکن جب وہ نکاح کے بعد شوہر کے گھر چلی جاتی ہے، تو ماں باپ سے ہر طرح کی معاشی ذمہ داریاں کٹ جاتی ہیں، حتی کہ ان کے انتقال کے بعد وہ میراث میں بھی حصہ دار نہیں رہتیں، لیکن اسلام نے اس تصور کو مستقل قانون کے ذریعے غلط ثابت کیا۔...... ہمارے معاشرے، بلکہ پورے ملک میں یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد بھائی تمام متروکہ جائداد پر قبضہ کر بیٹھتا ہے، اور بہنوں کو یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ اگر جائداد (میراث) میں حصہ لینا چاہتی

ہوں، تو پھر تمہارے لیے بھائی کے گھر کے دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے، یہ سراسر غیر اسلامی طرزِ عمل ہے۔ اس لیے میں تم تینوں بھائیوں کو یہ حکم دیتا ہوں کہ تم اپنی بہنوں کو ان کا حصہ میراث دے دو۔

وکیل ''عاطف'' (مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر):

مفتی ماجد صاحب! آپ نے مسلم معاشرے کی ماؤں بہنوں کو بہت بڑے خسارے سے بچالیا ہے، میں آج ہی ہر گھر میں یہ پیغام پہنچادوں گا کہ مائیں بہنیں۔ جن کو اپنے والدین وغیرہ کے ترکہ میں حصہ نہیں ملا، وہ دارالافتاء سے بالواسطہ رجوع کر سکتی ہیں۔

عاکف (مفتی صاحب سے مخاطب ہو کر):

مفتی صاحب! آپ نے بروقت ہماری آنکھیں کھول دی، ورنہ ہم دنیا اور آخرت میں بڑے نقصان وخسارے میں رہتے۔ ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ! آج ہی اپنی تمام بہنوں کا والدین کے ترکہ میں سے حصہ میراث دے دیں گے۔

مفتی ماجد صاحب (بھائی سے مخاطب ہو کر):

آپ لوگ اپنے والد محترم کی کل جائدادِ منقولہ وغیر منقولہ کو آٹھ حصوں میں تقسیم کر کے، دو دو حصے تین بھائیوں میں سے ہر ایک بھائی رکھ لے، اور ایک ایک حصہ دونوں بہنوں میں سے ہر ایک کو دیدے۔

بھائی لوگ: جزاکم اللہ! مفتی صاحب! ہم ایسا ہی کریں گے۔

مقدمہ (۷)

(۷) (پڑوسی مدعی-راشد- اپنے پڑوسی مدعیٰ علیہ -شاہد-کو لے کر دارالافتاء حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ و برکاتہ! مزاج بخیر ہیں؟

پڑوسی (راشد): جناب مفتی صاحب!

میرا یہ پڑوسی ہے، جب سے میرے پڑوس میں رہ رہا ہے، میرا چین وسکون سب ختم ہو گیا ہے، ذرا ذرا سی بات پر مجھ سے جھگڑتا ہے، میرے گھر کے آنگن کو اس نے کچرا دان بنا رکھا ہے، رات دیر گئے تک زور وشور سے ٹیپ ریڈیو اور موبائل پر گانے بجاتا ہے، ٹی وی پر سیریل (Seriel) اور فلم (Film) دیکھتا ہے، میری بیوی، بچوں کے ساتھ زیادتی بھی کرتا ہے، **مفتی صاحب**! آپ اِسے سمجھائیے، کہ شریعت میں پڑوسی کے کیا کیا حقوق ہیں؟ اور دوسرے کو تکلیف دینا کیا حکم رکھتا ہے؟

(۷) مفتی ماجد صاحب (پڑوسی مدعیٰ علیہ ''شاہد'' سے مخاطب ہو کر):

شاہد! تمہارا- اپنے پڑوسی سے (خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم) ذرا ذرا سی بات پر جھگڑنا، اس کے گھر کے آنگن کو کچرادان سمجھنا، رات دیر گئے تک زور وشور سے ٹیپ ،ریڈیو اور موبائل پر گانے بجانا، ٹی وی سیریل اور فلم دیکھنا، اس کے بیوی بچوں کے ساتھ زیادتی کرنا، شرعاً یہ سب اعمال ناجائز ہیں۔ کاش! کہ آپ کسی عربی مدرسہ میں جا کر تعلیم حاصل کر لیے ہوتے، تو ضرور اپنے پڑوسی کے ساتھ ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے، کیوں کہ ہمارے ان مدارس میں یہی تعلیم دی جاتی ہے کہ معاشرے میں

کس فرد کے ساتھ کیسے رہنا چاہیے؟ لیکن آج کا معاشرہ چوں کہ ہمسائیگی کے تصور سے تہی دامن ہو چکا ہے، ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا تو دور کی بات ہے، یہ تک معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارے ہمسائے میں، یا ہمارے اُوپر والے فلیٹ میں، یا نیچے والے فلیٹ میں رہنے والا کون ہے؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

فرد، قائم ربطِ ملت سے ہے، تنہا کچھ نہیں!
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں!

اس لیے میں آپ کے سامنے پڑوسی کے متعلق چند حقوق بیان کیے دیتا ہوں:

اولاً یہ سمجھ لیں کہ ہمسائے تین طرح کے ہیں؛

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ﴾. ”ہم سایہ قریب اور ہم سایہ بیگانہ، اور پہلو کا ساتھی۔“ (سورۂ نساء:۳۶)

”ہم سایہ قریب“ یعنی جس کا گھر متصل ہو، یا مسلمان ہم سایہ، یا رشتہ دار ہم سایہ۔

اور ”ہم سایہ بعید (بیگانہ)“ یعنی جس کا گھر دور ہے، یا غیر مسلم ہم سایہ، یا جس ہم سایہ سے رشتہ داری کا تعلق نہ ہو۔

اور ”پہلو کا ساتھی“ یعنی جو شخص عارضی طور پر کسی کام میں رفیق ہو، مثلاً: کلاس فیلو، ملازم ساتھی، سفر کا ساتھی وغیرہ۔

(۱) پڑوسی اگر بیمار ہو جائے، تو اس کی عیادت اور خبر گیری کی جائے۔

(۲) انتقال کے بعد جنازہ کے ساتھ جانا، اور تدفین کے کاموں میں ہاتھ بٹانا۔

(۳) ضرورتاً قرض مانگے، تو بشرطِ استطاعت اسے قرض دینا۔

(۴) کوئی برا کام کر بیٹھے، تو پردہ پوشی کرنا۔

(۵) اسے کوئی نعمت ملے، تو اس پر مبارک باد دینا، اور مصیبت پہنچے تو تعزیت کرنا۔

(٦) اپنی عمارت کو اس کی عمارت سے اِس طرح بلند نہ کرنا کہ اس کے گھر کی ہوا بند ہو جاوے۔

(۷) اپنے گھر اچھا کھانا پکے، تو یہ کوشش کی جائے کہ ہانڈی کی مہک اس کے (بچوں کے لیے) باعثِ ایذا نہ ہو، اِلا یہ کہ تھوڑا سا اُس کے گھر بھی بھیج دو۔

(۸) اس کی دینی تعلیم و تربیت اور عملی واخلاقی اصلاح کرے۔

مختصر یہ کہ ہم سایہ مریض کی عیادت، مُشایَعتِ جنازہ، مالی اِعانت، عیوب پر پردہ پوشی، خوشی اور غمی کے احساسات میں شرکت اور اِیذا دہی کی تمام ممکنہ صورتوں کا سدِ باب، اور ہم سایہ کے نازک احساسات کی رعایت کرنا ضروری ہے۔ کیوں کہ امتِ مسلمہ کے باہمی تعلقات کی استواری اور ان کی ملی زندگی کی پائیداری کا دارومدار جس طرح خاندان کی مضبوطی پر ہے، اسی طرح اجتماعی اور ملی زندگی کے روابط کی استواری پر بھی ہے، اور ان روابط کا آغاز ہم سائیگی کے تعلقات سے ہوتا ہے، اس لیے امتِ مسلمہ کا فرض ہے کہ ہم سائیگی کے حقوق کی پاسداری کرے۔

شاھد: شکریہ مفتی صاحب!

آج کے بعد میں اپنے پڑوسی/ ہم سایہ کو کسی قسم کی گزند و تکلیف نہیں پہنچاؤں گا۔

مقدمہ (۸)

(۸) (پرنسپل- ثاقب- اپنے ٹیچرس اسٹاف (Teacher,s Staff) کے ساتھ دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے): السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کہیے پرنسپل صاحب! مزاج بخیر ہیں؟

کیا آج پورے اسٹاف کے ساتھ سیر وتفریح کے لیے نکلے ہیں؟

پرنسپل(ثاقب): نہیں جناب مفتی صاحب!

سیر وتفریح ہم لوگوں کے مقدر میں کہاں، ہم تو اپنا دُکھڑا لے کر، آپ کے دربار میں حاضر ہوئے ہیں، مفتی صاحب! یہ میرا ٹیچنگ اسٹاف (Teaching Staff) ہے، تعلیمی اوقات میں موبائل فون استعمال کرتے ہیں، اور اپنے ذاتی کاموں میں مشغول رہتے ہیں، جس کی وجہ سے کالج کی تعلیم بہت متأثر ہوچکی ہے، اس سال کا رِزلٹ (Result) بالکل صفر ہے، اور میرا سر- بچوں کے سرپرستوں کے سامنے شرم سے جھکا جارہا ہے، مفتی صاحب! آپ ذرا انہیں سمجھائیے، کہ کیا تعلیمی اوقات میں موبائل فون کا استعمال، اور ذاتی کاموں میں اشتغال شرعاً جائز ہے؟ یا ناجائز؟

(۸) مفتی ماجد صاحب (ٹیچرس/ اساتذہ کی طرف متوجہ ہوکر):

محترم ٹیچرس واساتذۂ کرام!

ہم سب کو یہ بات جان لینا چاہیے کہ والدین کے بعد معلم ہی ہے، جو بنیادی اسلامی تصورات کے ذریعے مسلمان قوم کے صالح افراد میں اسلامی سیرت وکردار کی بنیاد رکھ سکتا ہے، پھر وہ اپنی ذات کی اصلاح، بلکہ اس کی تکمیل کے بعد اپنے شاگردوں کے لیے ایک عملی مثال اور مینارۂ نور بن سکتا ہے، جس سے اس کے شاگرد ہر وقت نورِ اکتساب کر سکتے ہیں، اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے، جب کہ استاذ واقعتاً اُستاذ ہو، کیوں کہ:

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں!
آدمی، آدمی بناتے ہیں!

لیکن آج صورتِ حال یہ ہے کہ اساتذہ کی، ایک بڑی تعداد اپنے فرائض کی حقیقت سے نا آشنا ہے۔

اس لیے اساتذہ اور ٹیچرس کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ:

''مدرسین اور تمام ملازمین کا معاملہ مدرسہ، یا کسی اور ادارے کے ساتھ عقدِ اجارہ ہے، اور اجارہ یا تو وقتِ معلوم پر ہوتا ہے، یا عملِ معلوم پر، مدرسین چوں کہ وقت کے پابند ہوتے ہیں، اس لیے وہ اَجیرِ خاص ہیں، اور اَجیرِ خاص کے لیے وقتِ متعین میں مفوضہ کام کے علاوہ، دوسرے کام میں مشغول ہونا درست نہیں ہے، لہٰذا ہر ایسا کام جو مدرسین کے فرائضِ منصبی میں کسی قسم کی کوتاہی اور حرج کا سبب بنے، وہ شرعاً ناجائز ہوگا، بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اَجیرِ خاص کے لیے وقتِ متعین میں نوافل پڑھنے کی عدمِ اجازت پر علماء کا اتفاق نقل فرمایا ہے،

لہٰذا تعلیمی اوقات میں موبائل فون کا استعمال، اور ذاتی کاموں میں مشغول ہونا شرعاً جائز نہیں ہے۔"

ثابت (مع دیگر اساتذہ): مفتی صاحب! جزاک اللہ کہ چشم باز کر دی! ......آپ نے ہمیں ہماری ذمہ داریوں پر آگاہ کیا، جن سے آج تک ہم غافل رہیں، ان شاء اللہ العزیز! آئندہ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو پوری تن دہی سے انجام دیں گے۔

مقدمہ (۹)

(**۹**) (سیٹھ-ذاکر-اپنے نوکر-واجد-کے ہمراہ دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے):

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مزاج بخیر تو ہیں؟ کہیے سیٹھ کیسے آنا ہوا؟

سیٹھ(ذاکر): مفتی صاحب! میرا اپنا ذاتی کاروبار ہے، جس میں یہ لوگ مزدوری کرتے ہیں، مجھے ان سے شکایت ہے، کہ یہ پوری دیانت داری وایمان داری کے ساتھ کام نہیں کرتے، جس کی وجہ سے اس سال میرا بڑا نقصان ہوا، اور میں بیس لاکھ کا مقروض ہو چکا ہوں، آپ انہیں سمجھایئے کہ مالک کے مزدور پر کیا کیا حقوق ہوتے ہیں؟ (درمیان میں مزدور **واجد**): اور یہ بھی کہ مزدور کے مالک پر کیا کیا حقوق ہوتے ہیں؟

(۹)مفتی ماجد صاحب (سیٹھ اور مزدور کی طرف متوجہ ہوکر):

مالک ومزدور، آقا وغلام، کاشت کار وزمین دار، ہیڈ ماسٹر وٹیچرس، منتظم واساتذہ، سب انسانی حقوق میں یک ساں اور برابر ہیں،فریقِ اول کو اپنے آپ کو برتر اور فریقِ ثانی کو کم تر سمجھنے کا کوئی حق نہیں، کیوں کہ یہ تقسیم- خدائی تقسیم ہے،ارشادِ ربانی ہے:﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا﴾ . ”ہم نے ان کی روزی تقسیم کررکھی ہے ،اور ہم نے ایک کو دوسرے پر رفعت دے رکھی ہے، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے“۔ (سورۂ زخرف:۳۲)

آیتِ مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ مالک اور مزدور کے درمیان جو نظام ہے، یہ خدائی نظام ہے،اس میں فریقِ اول کے کمال کو کوئی دخل نہیں ہے، کیوں کہ تاجر،صنعت کار اور زمین دار کو مزدور کی ،اور مزدور واجیر کو روزگار کی ضرورت ہوتی ہے،اور ان دونوں کی ضرورت ہی ،روزگار فراہم کرتی ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ” إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ ، وَدِيْنَكُمْ وَاحِدٌ ، وَنَبِيَّكُمْ وَاحِدٌ ، وَلا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ ، وَلا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ ، وَلا أَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ ، وَلا أَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ – إِلَّا بِالتَّقْوٰى “ . (کنز العمال:۴۲/۳،رقم:۵۶۵۲)

اگر فریقِ اول-فریقِ ثانی کو کم تر سمجھے گا،تو پھر آپسی اختلافات وتنازُعات جنم لیتے ہیں۔اس لیے منتظم، پرنسپل اور مالک کو چاہیے کہ اپنے ماتحتوں کی استطاعت کے مطابق ان سے کام لیں،اگر کبھی زیادہ کام لے لیں،تو اس کی اُجرت بھی ادا کردیں، نیز کام ہوجانے کے بعد اپنے ماتحتوں کو اُجرت کے لیے بار بار چکر نہ کٹوائے،یعنی ٹال

مٹول نہ کرے، یہ سراسر ظلم وزیادتی ہے۔ "صحیح بخاری: ۱/۳۲۳" میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: " مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ " . "مال دار کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔"

بلکہ "سنن ابن ماجہ: ۱/۱۷۶" میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: "أَعْطُوا الْأَجِيرَ أَجْرَهُ قَبْلَ أَنْ يَّجِفَّ عَرَقُهُ" . "مزدور کو اس کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو"...... نیز "صحیح بخاری: ۱/۹" میں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "تمہارے غلام، خادم، ملازم، مزدور تمہارے بھائی ہیں، لہٰذا تم میں جس کے قبضے میں اس کا کوئی بھائی ہو، تو اس کو ویسا ہی کھلائے اور پہنائے، جیسا وہ خود کھاتا اور پہنتا ہے، اور اس کو ایسا کام کرنے کو نہ کہے، جس کی وہ استطاعت نہ رکھتا ہو، اور کبھی ایسا کام کرنے کو کہے، تو خود بھی اس کا ہاتھ بٹائے۔"

" إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ ، فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهٖ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ " .

اور فریقِ ثانی (مزدور وغیرہ) کو چاہیے کہ فریقِ اول (منتظم وغیرہ) جو بھی کام سونپے، وہ تن من دھن سے پورے کرے، ان میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے دے، اور امانت داری و دیانت داری کا خیال رکھے، جیسا ذمہ داروں کے سامنے کام کرتا ہے، ایسے ہی اس کے غائبانہ میں بھی کرے، اور اپنے مالک کو کسی طرح کا شکوہ شکایت کا موقع نہ دے، کیوں کہ اجیر کی صفت قرآنِ کریم میں یہ بیان کی گئی ہے: ﴿إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ﴾ . "بلاشبہ بہتر اجیر وہ ہے جو طاقت ور اور امانت دار ہو۔" (سورۂ قصص: ۲۶)

مالک ومزدور(ایک ساتھ): شکریہ مفتی صاحب!
آئندہ ہم اپنے اوپر واجب حقوق کی ادائیگی کا ضرور بالضرور خیال رکھیں گے۔

مفتی ماجد صاحب:

آج ہر شخص اپنے حقوق کا خواہاں ہے، جس کے لیے باقاعدہ مختلف شعبوں میں کام کرنے والوں کی مختلف تنظیمیں اور یونینس (Unions) ہیں، مگر ادائیگیٔ فرض کے لیے نہ تو کوئی تنظیم اور انجمن موجود ہے، نہ ہی اس کا پاس ولحاظ کیا جاتا ہے، اکبر الہ آبادی نے تو اسی کا رونا روتے ہوئے کہا تھا: ؎

نئی تہذیب میں دِقت زیادہ تو نہیں ہوتی!
مذاہب قائم رہتے ،صرف ایمان جاتا ہے!

اور اسی کو علامہ اقبال نے کہا تھا: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں ہنود!
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو، اپنے اوپر واجب حقوق کی ادائیگی کی توفیق عطا فرمائے، جب ہر شخص اپنے اوپر حق کو ادا کرے گا، تو سب کے حقوق ادا ہو جائیں گے، اور کسی کو کسی سے کوئی گلہ اور شکوہ نہ ہوگا، اور ہمارا معاشرہ امن ،چین ،سکون اور شانتی کا گہوارہ بن جائے گا۔

”تَعَاشَرُوْا کَالْإِخْوَانِ وَتَعَامَلُوْا کَالْأَجَانِبِ“ (مَقُولَہ)

(۵)

مُکالمہ بابت
مشترکہ کاروبار کا جھگڑا اور اُس کا حل!

کردار:

ترجمان:

حامد: (بھائی اول)

خالد: (بھائی ثانی)

(ساتھ میں اور دو بھائی ہوں، کل چار بھائی اور تین بہنیں ہیں، لیکن عدالت میں صرف دو بھائی پہنچیں گے۔)

عابد: (رہنما)

مفتی محمود الحسن صاحب:

مقدمہ

(حامد، خالد اور عابد کی ملاقات ایک دعوت میں ہوتی ہے، اور تینوں ایک ساتھ کھانے کے دوران، ایک دوسرے کے احوال دریافت کرتے ہیں، جس کے درمیان حامد اور خالد اپنے کاروبار کے متعلق بھائی بہنوں میں آپسی جھگڑے کا تذکرہ کرتے ہیں، اور اس کے حل کے لیے، سرکاری عدالت سے رجوع کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، جس پر عابد انہیں نہ صرف دارالافتاء سے رجوع کرنے کا مشورہ دیتا ہے، بلکہ اس کے لیے اپنی خدمات کی پیش کش بھی کرتا ہے، اس طرح یہ تینوں حضرات دارالافتاء پہنچتے ہیں۔)

حامد، خالد اور عابد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی (محمود الحسن) صاحب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کہیے حامد، خالد اور عابد میاں! مزاج تو بخیر ہیں؟ آج آپ لوگ کچھ اُلجھے اُلجھے سے اور پریشان حال دکھائی دے رہے ہیں، کیا بات ہے؟

حامد: محترم مفتی صاحب! آج ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں- کہ آپ کو اپنے دل کا دکھڑا سنا کر، کچھ غم ہلکا کرلیں، اور شریعت کی روشنی میں ہمارے خاندانی جھگڑے کا حل پالیں۔

مفتی صاحب! قصہ اس طرح ہے کہ- ہم چار بھائی اور تین بہنیں ہیں، ہمارے والد صاحب کی ایک کپڑے کی دکان ہے، جو اللہ کے کرم سے خوب چلتی

ہے، ہمارے والد صاحب نے اسی کی آمدنی سے، ہمارا ایک عالی شان مکان بنایا، ہم چار بھائیوں اور تین بہنوں کی شادیاں بھی اسی دکان کی آمدنی سے ہوئیں،بہنیں اپنے اپنے گھروں کو-اپنے شوہروں اور بچوں کے ساتھ خوش ہیں، عید بارات کے موقع پر جب وہ ہمارے گھر آتیں،تو والد صاحب اپنی بیٹیوں، نواسوں اور نواسیوں کا خوب خیال رکھا کرتے تھے، دو بھائی تقریباً دس سال سے بیرونِ ملک،اپنی بیویوں اور بچوں کے ساتھ برسرِ روزگار ہیں۔

ہم دو بھائی اپنے والد صاحب کے ساتھ،جب سے ہوش سنبھالا کاروبار میں ان کا ہاتھ بٹاتے رہے،اور ہماری اس دکان کی آمدنی کا یہ حال تھا کہ والد صاحب نے اسی کی بنیاد پر شہر کے اہم مقامات پر تقریباً دس پلاٹ خرید رکھے تھے،جن کی مالیت تقریباً ایک کروڑ روپئے ہیں، پورا خاندان خوشی ومسرت، چین وسکون اور امن وامان کی زندگی گذار رہا تھا- کہ یکا یک والد صاحب کی طبیعت خراب ہوئی، اور وہ ہم سب سوگواروں کو روتا،بلکتا اور سسکتا ہوا چھوڑ کر، اِس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ان کی وفات پر بیرون واندرونِ ملک بھائی بہنوں کو خبر کی گئی،جس پر بہنیں تو بوقتِ جنازہ حاضر ہو گئی تھیں،مگر بیرونِ ملک جو دو بھائی تھے، وہ حاضر نہ ہو سکے، اور آج تقریباً والد کے انتقال کو پانچ سال کا عرصہ بیت چکا، کاروبار جوں کا توں چل رہا ہے،اب تک میراث کی تقسیم نہیں ہوئی،اب وہ بھائی جو بیرونِ ملک برسرِ روزگار تھے، اورانہوں نے اپنی کمائی سے اپنی ذاتی پراپرٹی بھی بنالی، اسی طرح بہنیں اپنے شوہروں کے ساتھ تھیں، اور صرف ہم دو بھائیوں نے شب وروز

محنت کر کے، والد صاحب کی حیات میں اور اُن کے انتقال کے بعد بھی اس کاروبار کو پروان چڑھایا، اب دیگر بھائی بہنوں کا کہنا یہ ہے کہ والد کی اِس پراپرٹی میں ہم آپ لوگوں کے برابر کے شریک ہیں، تو آپ بتائیں کہ کیا اُن دو بھائیوں اور بہنوں کا حصہ ہم دو بھائیوں کے برابر ہے؟ جب کہ اِس کاروبار کو ترقی صرف ہم دو بھائیوں نے ہی دی ہے۔

(خالد اور عابد دونوں سر سے اشارہ کرتے رہیں۔)

مفتی (محمود الحسن) صاحب:

محترم حامد وخالد صاحبان!......آج ہمارا معاشرہ اِس بات سے بھرا ہوا ہے کہ کوئی بات صاف نہیں، اگر باپ بیٹوں کے درمیان کاروبار ہے، تو وہ ویسے ہی چل رہا ہے، اس کی کوئی وضاحت نہیں ہوتی کہ بیٹے باپ کے ساتھ جو کام کر رہے ہیں، آیا وہ شریک اور پارٹنر (Partner) کی حیثیت سے کر رہے ہیں، یا ملازم کی حیثیت سے؟ یا ویسے ہی باپ کی مفت مدد کر رہے ہیں؟ اِس کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، مگر تجارت ہو رہی ہے، ملیں قائم ہو رہی ہیں، دکانیں بڑھتی جا رہی ہیں، مال وجائداد بڑھتا جا رہا ہے، اور یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کس کا کتنا حصہ ہے؟ اگر ان سے کہا بھی جائے کہ اپنے معاملات صاف کرو، تو جواب دیا جاتا ہے کہ:

”یہ تو غیرت کی بات ہے،......بھائی بھائی میں صفائی کی کیا ضرورت؟!“

اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب شادیاں ہو جاتی ہیں، بچے بڑے ہو جاتے ہیں، اور شادی میں کسی نے زیادہ خرچ کر لیا اور کسی نے کم خرچ کر لیا، یا ایک بھائی نے

مکان بنالیا اور دوسرے نے ابھی تک مکان نہیں بنایا، تو بس دل میں شکایتیں اور ایک دوسرے کی طرف سے کینہ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے، آپس میں جھگڑے ہونے لگتے ہیں کہ فلاں زیادہ کھا گیا اور مجھے کم ملا، اور اگر اس درمیان باپ کا انتقال ہو جاتا ہے، تو تقسیمِ میراث میں بھی اختلافات رونما ہوتے ہیں، مثلاً: باپ کے انتقال کے بعد میراث تقسیم نہیں ہوتی، اور جو بڑا بیٹا ہے وہ کاروبار پر قابض ہو جاتا ہے، بیٹیاں خاموش بیٹھی رہتی ہیں، اور اسی حال میں ایک طویل عرصہ گزر جاتا ہے، اب اس دوران کسی کا انتقال ہو جاتا ہے، یا کوئی بھائی اس کاروبار میں اپنا روپیہ پیسہ لگاتا ہے، پھر سالہا سال گزر جانے کے بعد، جب اُن کی اولاد بڑی ہوتی ہے، تو باہمی نزاع جنم لیتا ہے کہ- ہر وارث اپنا حصہ، کاروبار کی موجودہ مالیت کے اعتبار سے طلب کرتا ہے، جب کہ بڑا بیٹا کہتا ہے کہ میں نے کاروبار کو ترقی دی، رات دن محنت کی، اور اس کو بامِ عروج پر پہنچایا، اس لیے باپ کے انتقال کے وقت کاروبار کی جو اصل مالیت تھی، اسی کے اعتبار سے حصہ دوں گا، نہ کہ موجودہ مالیت کے اعتبار سے، اسی طرح جس بیٹے نے پیسہ لگایا تھا، وہ کہتا ہے: چوں کہ باپ کے اس کاروبار میں میرا سرمایہ لگا ہے، اس لیے اس میں میرا حصہ اور لوگوں کی بہ نسبت زیادہ ہوگا۔

اب دیکھئے! وقت پر میراث تقسیم نہ کرنے سے، وارثوں کے درمیان جھگڑے کھڑے ہو گئے، بدگمانیاں پیدا ہوئیں، غلط طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانا پایا گیا، جیسا کہ آپ خود اسی مصیبت کے شکار ہیں، اور یہ مصیبت، شریعتِ

اسلامی کی تعلیم: " تَعَاشَرُوْا کَالإِخْوَانِ وَتَعَامَلُوْا کَالأَجَانِبِ " .

اسی طرح اُس کی یہ تعلیم کہ: " انسان کے مرجانے کے فوراًبعد اُس کی میراث تقسیم کردی جائے"، پر ترکِ عمل کی سزا ہے (جو بہت سے گناہوں کی جڑ ہے)۔

کیوں کہ شریعت-معاملات کی صفائی کا حکم دیتی ہے، کہ کوئی بھی معاملہ ہو، خواہ وہ باپ بیٹوں کے درمیان ہو، یا بھائی بھائی کے درمیان، یا پھر کسی اجنبی کے ساتھ ہو، صاف صاف ہونا چاہیے، کہ کس کی کیا حیثیت ہے؟ اور وہ اس معاملے میں کس قدر منافع کا حق دار ہے؟ تا کہ آئندہ جھگڑے پیدا نہ ہوں۔

خیــر! چوں کہ آپ دونوں بھائی اپنے والد صاحب کے ساتھ کاروبار میں شریک تھے، اور اصل کاروبار والد ہی کا تھا، خواہ آپ دونوں نے محنت ومشقت سے اُسے پروان چڑھایا، مگر آپ لوگوں نے اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں اپنی شرکت کی حیثیت متعین نہیں کی تھی، اس لیے شرعاً آپ کی حیثیت اُن کے ساتھ معاون کی تھی، لہٰذا آپ کے والد کے انتقال کے وقت جتنی پراپرٹی اور بینک بیلنس تھا، اس میں تمام وارثوں کا حق ہے، والد کے انتقال کے بعد آپ لوگوں نے میراث کو تقسیم نہیں کیا، اور اسی سے کاروبار کو جاری رکھا، تو اس صورت میں آپ نے کاروبار کو جاری رکھ کر جتنے منافع حاصل کیے، وہ سب منافع، منافعِ فاسدہ کہلائیں گے، جنہیں اُن کے مالکوں کو لوٹانا واجب ہے، اور ان کے مالک تمام وارثین ہیں، لہٰذا دیگر وارثوں کو ان کے حصۂ میراث کے بقدر، منافع میں بھی حصہ دینا لازم ہے، اس لیے اب آپ شرعی اعتبار سے وراثت کی تقسیم اس

طرح کریں: ''آپ کے والد کی پوری پراپرٹی اور بینک بیلنس کے کل گیارہ حصے کرلیں،جن میں سے ہر بھائی کو دو دو حصے،اور ہر بہن کو ایک ایک حصہ دے دیں۔''

آپ تمام بھائیوں کو میں اس بات کی تاکید کرتا ہوں، کہ اپنی بہنوں کو بھی اُن کا حصۂ میراث ضرور دیدیں؛ کیوں کہ شرعاً آپ کے والد کے ترکہ میں اُن کا بھی حصہ ہے،جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ ، وَلِلنِّسَاءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ، نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا﴾ . ''مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اُس چیز میں سے،جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اُس چیز میں سے جس کو ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار چھوڑ جائیں، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر، حصہ بھی ایسا، جو قطعی طور پر مقرر ہے۔'' (سورۂ نساء:۷)

اور اس کا یہ فرمان:

﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ .

''اللہ تمہیں حکم دیتے ہیں تمہاری اولاد کے بارے میں کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے۔'' (سورۂ نساء:۱۱)

ان دونوں آیتوں سے ترکہ میں عورتوں کی حصہ داری، اور بہنوں کا بھائیوں کے ساتھ، اپنے ماں باپ کی میراث میں شریک ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اگر آپ بھائیوں نے اپنی بہنوں کا حصہ نہ دیا، تو یہ اُن کے مال کو ناحق طور پر

کھانا ہوگا، جوشرعاً حرام ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ .

”تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور پر مت کھاؤ۔“

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

” لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ “ . (مشکوۃ شریف:ص/۲۴۳)

”وہ جسم جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کی پرورش حرام غذا سے ہوئی۔“

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد:

” مَنْ أَخَذَ شِبْرًا مِّنَ الْأَرْضِ ظُلْمًا فَإِنَّهُ يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ سَبْعِ أَرْضِيْنَ “ . کہ-”اگر کوئی شخص ظلماً، کسی کی ایک بالشت جگہ لے لے، تو اُس کو قیامت کے روز سات زمینوں سے اُس کا طوق پہنایا جائے گا۔“ (صحیحین)

لہٰذا آپ لوگ، اپنی بہنوں کو اُن کا حصۂ شرعی دے دو، تاکہ حرام خوری اور قیامت کے روز کے عذاب سے بچ سکو۔

حامد وخالد (ایک ساتھ): حضرت مفتی صاحب!

آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے ہمارا غم ہلکا کردیا، اور شریعت کی روشنی میں ہمارے مسئلے کا حل فرمایا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!!

﴿وَمِنْ آيٰتِهٖٓ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ، إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (القرآن)

(۶)

مُکالَمہ بابت

کیسے حاصل ہو زندگی کا سکون؟!

کردار:

......ترجمان:

......ساجد:

......ماجد:

......عامر:

......مفتی مہدی حسن صاحب:

مقدمہ

(ساجد، ماجد اور عامر کی چوراہے پر ایک دن ملاقات ہوتی ہے، ساجد کو پریشان حال دیکھ کر ماجد اور عامر اس سے پریشانی کی وجہ دریافت کرتے ہیں، تو ساجد اپنی پریشانیوں کی وجوہات بیان کرکے، ان کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کرتا ہے کہ میں کسی ماہر و تجربہ کار وکیل کی تلاش میں ہوں، تاکہ اپنا مقدمہ کورٹ میں جاکر کسی طرح حل کرلوں، اور اپنی پریشانیوں سے نجات پالوں۔)

عامر: ساجد! ہم مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اپنے عائلی وخاندانی مسائل، اپنے علمائے کرام ومفتیانِ عظام سے حل کرائیں، کیوں کہ ہمیں اسی کا حکم دیا گیا ہے، اور ہم اور آپ اچھی طرح سے جانتے بھی ہیں کہ موجودہ عدالتوں میں اپنے مقدمات داخل کرنے سے، نہ صرف دینی نقصان ہوتا ہے، بلکہ بے انتہا مالی نقصان کے ساتھ ساتھ انصاف ملنے میں بہت زیادہ تاخیر ہوتی ہے، کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ مقدمے کا فیصلہ، اس وقت ہوا، جب کہ فریقین اِس دنیا سے رخصت ہوچکے تھے۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ ہم آپ کا یہ مسئلہ مفتیٔ شہر (مفتی مہدی حسن صاحب) کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، امید ہے کہ وہ آپ کے اس مسئلے کو عقل وشرع کی روشنی میں، حل فرماکر آپ کی پریشانیوں کو دور کریں گے۔

ماجد: ساجد میاں! عامر جو باتیں کہہ رہے ہیں، بالکل مبنی برحق ہیں، اور مجھے بھی قوی امید ہے کہ مفتی صاحب کے پاس آپ کا یہ مسئلہ ضرور حل ہوگا، کیوں

کہ ہمارے محلے کا ایک شخص بھی آپ ہی کی طرح ایک مسئلے میں بڑا پریشان تھا، کچھ دنوں کے بعد میں نے اُسے چین وسکون کی حالت میں دیکھا، تو ان سے پوچھا: کیا آپ کا وہ مسئلہ حل ہو گیا؟ وہ کہنے لگا: جی ہاں! الحمد للہ، مفتی مہدی حسن صاحب نے میرا وہ مسئلہ حل کر دیا، تب ہی سے میں چین وسکون کی سانسیں لے رہا ہوں، ورنہ میں بڑا پریشان تھا۔

ساجد میاں ! میں بھی آپ سے یہی کہوں گا کہ آپ اپنا یہ مسئلہ حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں پیش کریں، اگر آپ کہیں تو ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہیں۔

ساجد: (عامر اور ماجد سے) تو پھر دیر کس بات کی؟ ابھی اور اِسی وقت مفتی صاحب کے پاس چلتے ہیں۔

(عامر، ماجد اور ساجد تینوں ایک ساتھ دارالافتاء پہنچتے ہیں۔)

ساجد : السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی (مہدی حسن) صاحب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! کہیے ساجد میاں! آج صبح ہی صبح کیسے دارالافتاء حاضری ہوئی، کیا کوئی مسئلہ درپیش ہے؟

ساجد: جی ہاں مفتی صاحب! کئی روز سے ایک بات دل ودماغ میں کھٹک رہی تھی، سوچا آج مفتی صاحب سے اس کا خلاصہ کر لوں۔

مفتی صاحب! میں نے علمائے کرام سے نکاح کی تقریبوں، جمعہ کے خطبوں اور

عام نصیحت کی مجلسوں میں سنا کہ نکاح پاک دامنی کا ذریعہ ہے، نکاح نبیوں کی سنت ہے، نکاح سے نصف ایمان مکمل ہو جاتا ہے، نکاح سے آدمی مددِ خداوندی کا مستحق ہوتا ہے، اور نکاح کی بدولت زندگی کا سکون میسر ہوتا ہے۔

لیکن میری زندگی نکاح کے بعد بالکل اس کے برعکس ہے، نکاح سے پہلے کسی قدر چین وسکون حاصل تھا، بیوی آجانے کے بعد، وہ بھی پوری طرح غارت ہو گیا، شام کو جب دن بھر کام کرکے گھر آتا ہوں، تو گھر، گھر نہیں، بلکہ......؛

کبھی میدانِ جنگ، تو کبھی جنگ کے بعد کے آثار- کی منہ بولتی تصویر بنا ہوتا ہے۔

کبھی میری والدہ محترمہ اپنی بہو، یعنی میری بیوی سے لفظی جنگ میں مشغول ہوتی ہے، تو بیوی اُس کے دفاع میں برسرِ پیکار دکھائی دیتی ہے۔

کبھی بیوی کا منہ چڑھا ہوا ہوتا ہے، تو کبھی ماں کے تیور بدلے بدلے نظر آتے ہیں۔

کبھی والد کی تیز نگاہوں کا سامنا ہوتا ہے، تو کبھی بھائیوں کی شکن پڑی جبینوں سے میرا استقبال ہوتا ہے۔

کبھی بہنیں ماں کے پاس جمع ہو کر بھابی (میری بیوی) کے خلاف نئی جنگ کی حکمتِ عملی پر غور وخوض کر رہی ہوتی ہیں، تو میری بیوی موبائل فون پر اپنے میکے والوں کے ساتھ، نئے دفاعی اُسلوب وطریقۂ کار پر، باہم تبادلہ خیال ومشورے میں مصروف ہوتی ہے، اب آئے دن گھر کے یہ مناظر دیکھ کر، میں دل ہی دل میں کہتا ہوں: ”اے کاش! کہ میرا نکاح ہی نہ ہوا ہوتا، تو کتنا اچھا ہوتا، کہ اس پورے سکون کو حاصل کرنے کے لیے، میں اُس تھوڑے سکون سے بھی محروم

ہوگیا، جو کبھی نکاح سے پہلے حاصل تھا‘‘، اسی لیے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ:
’’آدھی روٹی پر قناعت کرو، ایک کے چکر میں نہ پڑو، کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ اُس ایک کے چکر میں یہ آدھی بھی چلی جائے۔‘‘

حضرت مفتی صاحب! میں اس مَقُولے کا پوری طرح سے مصداق بن چکا ہوں، اب آپ ہی بتایئے! میں اِس مصیبت سے کیسے نجات پا سکتا ہوں؟

مفتی (مہدی حسن) صاحب: محترم ساجد صاحب!

مجھے آپ کے حالات سن کر بڑا رنج ہوا، اور اِس بات پر افسوس بھی- کہ آپ اسلامی تعلیمات سے متعلق شکوک وشبہات میں مبتلا ہیں، کہ نکاح کے بعد، بجائے سکون حاصل ہونے کے، موجودہ سکون بھی غارت وبرباد ہوجاتا ہے۔

بھائی ساجد صاحب! ہمارا اور آپ کا، بلکہ ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کا ہر ہر جز، اور اُس کے احکام کا ہر ہر فرد، جہاں حقانیت وصداقت پر مبنی ہے، وہیں اس پر عمل کرنا تمام بنی نوعِ انسانی کی کامیابی وکامرانی، اور چین وسکون کا ضامن ہے۔ چنانچہ نکاح کے سلسلے میں اللہ رب العزت کے یہ فرامین:

(۱) – ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ . ’’اور جو ان کے علاوہ ہیں وہ تمہارے لیے حلال کردی گئی ہیں، یعنی تم انہیں اپنے مال کے ذریعہ سے تلاش کرو، اس طور پر کہ قیدِ نکاح میں لانے والے ہو، نہ کہ مستی نکالنے والے۔‘‘ (سورۂ نساء:۲۴)

(۲)– ﴿وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ

الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ﴾ .

''اور تم میں سے جو کوئی قدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کر سکے، تو وہ تمہاری (آپس کی) مسلمان کنیزوں سے، جو تمہاری ملک (شرعی) میں ہوں (نکاح کرے۔ (سورۂ نساء:۲۵)

(۳)- ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ، إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ .

''اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لیے، تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں، تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو، اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت وہمدردی پیدا کردی، اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں، جو فکر سے کام لیتے رہتے ہیں''۔ (سورۂ روم:۲۱)

اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے یہ ارشادات:

(۱)- '' يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ ! مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ '' . ''اے نوجوانوں کی جماعت! جو تم میں سے قدرت رکھتا ہو، اسے چاہیے کہ وہ نکاح کرلے، اس لیے کہ وہ نگاہ کو بہت زیادہ نیچا رکھنے اور شرم گاہ کی بہت زیادہ حفاظت کا ذریعہ ہے۔''

(صحیح بخاری:۲/ ۷۵۸، مشکوۃ شریف:ص ۲۶۷)

(۲)- '' مَنْ أَرَادَ أَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ طَاهِرًا مُّطَهَّرًا فَلْيَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ '' .

''جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پاک اور پاکیزہ ہونے کی حالت

میں حاضر ہو، تو اسے چاہیے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے۔" (ابن ماجہ: ص/۱۳۴)

(۳)- عن أبي هريرة أنّ رسولَ اللّٰهِ ﷺ قال : " ثَلاثَةٌ حَقٌّ عَلَى اللّٰهِ عَوْنُهُمْ : اَلْمُكَاتَبُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْأَدَاءَ ، وَالنَّاكِحُ الَّذِيْ يُرِيْدُ الْعَفَافَ ، وَالْمُجَاهِدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ " . رواه الترمذي والنسائي وابن ماجة . "تین شخصوں کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ میں لازم کررکھا ہے: اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والا، وہ غلام جو اپنی آزادی کے لیے قیمت ادا کرنا چاہتا ہو، وہ نکاح کرنے والا جو پاک دامنی چاہتا ہو۔"

(سنن ترمذی: رقم: ۱۶۵۵، الترغیب والترہیب: ص/۴۳۲)

(۴)- عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت : قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ : "اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ ، فَمَنْ لَّمْ يَعْمَلْ بِسُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ" .

"نکاح میری سنت ہے، پس جو شخص میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔" (ص/۱۳۳، كتاب النكاح، في فضل النكاح، رقم: ۱۸۴۶)

(۵)- عن أبي أيوبَ قال : قال رسولُ اللّٰهِ ﷺ : " أَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِيْنَ : اَلْحَيَاءُ ، وَالتَّعَطُّرُ ، وَالسِّوَاكُ ، وَالنِّكَاحُ " . "چار چیزیں تمام نبیوں اور رسولوں کی سنت رہیں: حیا، خوش بُو، مسواک اور نکاح۔"

(سنن ترمذی: ۲/۱۶۹، کتاب النکاح، رقم: ۱۰۸۰)

(٦)- " مَنْ كَانَ مُوْسِرًا لأَنْ يَّنْكِحَ ثُمَّ لَمْ يَنْكِحْ فَلَيْسَ مِنِّيْ " .

"جو شخص نکاح کرنے کی مالی وسعت رکھنے کے باوجود نکاح نہ کرے، اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔" (طبرانی، ترغیب وترہیب: ص/۴۳۲، رقم: ۱۸۳۵۵)

(۷)- " مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الإِيْمَانِ ، فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي " . "جب کسی شخص نے نکاح کرلیا، تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کرلیا، اب وہ (آگے) آدھے باقی ماندہ دین میں اپنے پروردگار سے ڈرتا رہے۔" (مشکوۃ شریف: ص/ ۲۶۸، المعجم الاوسط للطبرانی: ۵/۲/۳۷۲)

اور فقہ حنفی کی ایک اہم ومستند کتاب "درمختار" میں علامہ حصکفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " لَيْسَ لَنَا عِبَادَةٌ شُرِعَتْ مِنْ عَهْدِ آدَمَ عَلَيْهِ الصَّلاةُ وَالسَّلامُ إِلَى الآنِ ، ثُمَّ تَسْتَمِرُّ فِي الْجَنَّةِ إِلَّا النِّكَاحُ وَالإِيْمَانُ ". "حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانے سے لے کر، آج تک (بلکہ قیامت تک) صرف دو ہی عبادتیں یک ساں طور پر مشروع ہیں، ان میں سے ایک نکاح اور دوسرا ایمان، اور یہ دونوں عبادتیں جنت میں بھی جاری (وباقی) رہیں گی۔"
(۱/۱۸۵، کتاب النکاح)

ساجد صاحب! ان تمام آیتوں، روایتوں، اور فقہی عبارت سے آپ بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں- کہ نکاح شریعت کی نگاہ میں کس قدر اہم عبادت ہے، اور اللہ رب العزت نے مردوں کے لیے اُن کی ہم جنس بیویوں کو پیدا کر کے، اُن پر کس قدر عظیم احسان فرمایا، کہ یہ بیویاں مردوں کے لیے سرمایۂ راحت وتسکین، اور باعثِ سکون ہیں، ان سے مردوں کا دل بہلتا ہے، اور زندگی کے بہت سے اہم موڑوں پر یہی بیویاں اپنے شوہروں سے فطری محبت وہم دردی کی بنا پر، اُنہیں سنبھالا دیا کرتی ہیں۔

اب رہی آپ کی پریشانی، کہ آپ کو نکاح کے بعد سکون حاصل نہ ہوا، بلکہ موجودہ سکون بھی تباہ و برباد ہوگیا، تو اس کی وجہ آپ کا نکاح کرنا نہیں، بلکہ بیوی کے ایک اہم حق کی پامالی ہے، اور وہ حق ہے، بیوی کو علیحدہ مکان دینا؛ کیوں کہ شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے علیحدہ مکان کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور شوہر پر اُس کے اِس مطالبے کو پورا کرنا لازم ہے۔ جیسا کہ فقہ حنفی کی چوٹی کی کتاب ''بدائع الصنائع'' میں ہے:'' لَوْ أَرَادَ أَنْ يُّسْكِنَهَا مَعَ أَحْمَائِهَا كَأُمِّهٖ وَأُخْتِهٖ فَأَبَتْ فَعَلَيْهِ أَنْ يُّسْكِنَهَا فِيْ مَنْزِلٍ مُنْفَرِدٍ '' . (شامی:۲/۲۰۷،ہدایہ:۲/۴۴۱)

اگر شوہر اپنی بیوی کو اس کے دیور، اپنے اقرباء، مثلاً ماں، بہن کے ساتھ رکھنا چاہتا ہے، اور بیوی ساتھ رہنے سے انکار کرتی ہے، یا محض قرائن سے معلوم ہوجائے کہ وہ علیحدہ مکان میں رہنا چاہتی ہے، مگر زبان سے درخواست نہیں کرتی، تب بھی شوہر پر لازم ہے کہ اس کو علیحدہ مکان میں رکھے۔

یہ علیحدہ مکان کس درجہ اور نوعیت کا ہونا چاہیے؟ فقہائے کرام نے اس کی بھی وضاحت فرمادی، کہ اگر پورا گھر نہ دے سکے، تو بڑے گھر میں ایک ایسا کمرہ دے، جو عورت کی ضرورت کے لیے کافی ہو، اور وہ اس میں اپنا مال اور سامان مقفل رکھ سکے، آزادی کے ساتھ اپنے میاں کے ساتھ تنہائی میں اُٹھ بیٹھ سکے، بات چیت کرسکے، اس واجب کی ادائیگی کے لیے یہ کافی ہوگا، اور چولہا تو ضرور علیحدہ ہونا چاہیے، کیوں کہ زیادہ تر آگ اِسی چولہے سے بھڑکتی ہے۔

صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں: '' عَلَى الزَّوْجِ أَنْ يُّسْكِنَهَا فِيْ دَارٍ مُفْرَدَةٍ لَيْسَ

فِيْهَا أَحَدٌ مِّنْ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ تَخْتَارَ ذٰلِكَ .... وَلَوْ أَسْكَنَهَا فِيْ بَيْتٍ مِّنَ الدَّارِ مُفْرَدٍ وَلَهُ غَلْقٌ كَفَاهَا ؛ لأَنَّ الْمَقْصُوْدَ قَدْ حَصَلَ ". (۴۴۱/۲)

مگر افسوس! آج ہمارا معاشرہ بہو کے اِس حق کو تسلیم کرنے پر راضی ہی نہیں، ساس اپنی بہو کو بیٹی نہیں- بلکہ نوکرانی سمجھتی ہے، باندیوں کی طرح اس سے خدمت لیتی ہے، حتی کہ آج کل اپنے بیٹوں کی شادیوں سے پہلے ہی مائیں اپنے گھروں میں اِس طرح کی باتیں کرتی ہیں کہ:

''کیا کروں! گھر کا کام کاج بہت بڑھ گیا، چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، بیٹیوں کی شادیاں ہوگئیں، گھر میں کام کرنے والا کوئی نہیں، سوچتی ہوں بڑے لڑکے کی شادی کر دوں، تا کہ کام کاج کا مسئلہ حل ہو جائے۔''

اب شادی کے بعد جب بہو گھر آتی ہے، تو پلان کے مطابق، گھر کے تمام بزرگوں، خوردوں (چھوٹوں) اور نندوں وغیرہ کی خدمت اور حکم کی بجا آوری اس کے ذمہ فرض ہو جاتی ہے، اگر کسی کی خدمت میں کوئی کوتاہی ہوتی، یا حکم کی بجا آوری میں محض تاخیر ہوتی ہے، تو بے چاری بہو کی جان پر بَن آتی ہے، اور اسے ایسی ذہنی اور جسمانی تکلیفیں دی جاتی ہیں کہ اگر یہی تکلیفیں خود ساس کی بیٹی، بھائیوں کی بہن کو اُس کے سسرال میں دی جاتیں، تو آسمان سر پر اُٹھالیا جاتا، سسرال والوں کو ظالم، جاہل اور شریعتِ اسلامیہ کا دشمن قرار دیا جاتا، لیکن یہی کام خود کر رہے ہیں، تو ظلم کے باوجود منصف، جہالت کے باوجود دانش مند، اور حکمِ شرعی کی خلاف ورزی کے باوجود بھی حامیٔ شریعت بنے ہوئے ہیں۔

انصاف کا یہی دوہرا معیار گھروں میں اختلاف وانتشار، اور جھگڑے فساد کی آگ بھڑکائے ہوئے ہے، جس کی وجہ سے نکاح کے بعد سکون حاصل نہیں ہوتا، اِدھر شوہر، جس کی وجہ سے یہ پرائے کی لڑکی بہو بنا کر گھر میں لائی گئی، اُس کی حالت بھی اپنی ماں سے مختلف نہیں ہوتی، وہ اِسی کو بڑی سعادت مندی سمجھتا ہے کہ اس کی بیوی، اس کے ماں کی محکومہ اور تابعہ بن کر رہے، اور اگر وہ اس کے ماں کے حکم کی بجا آوری نہیں کرتی، یا خدمت میں کوئی کوتاہی کرتی ہے، تو وہ اس پر بڑے مظالم ڈھاتا ہے، اسے طلاق کی دھمکی دیتا ہے، اور ہمہ وقت اسے ذہنی دباؤ اور ڈپریشن میں رکھتا ہے، جب کہ یہ بات کان کھول کر سن لینی چاہیے کہ بیوی پر اپنے ساس وخسر، اور دیور ونند کی خدمت فرض نہیں ہے، اگر وہ کرتی ہے، تو یہ اس کا احسان ہے، اور اگر نہیں کرتی، تو اس پر اس کا مؤاخذہ وگرفت شرعاً جائز نہیں، کیوں کہ فقہ کا قاعدہ ہے: ”تَرْکُ الإحْسَانِ لا یَکُوْنُ إسَاءَ ۃً “— کہ ترکِ احسان سے آدمی گنہگار نہیں ہوتا۔ ہاں! البتہ اگر بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو، نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو، تو ایسی مجبوری کی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت اخلاقی طور پر واجب ہوگی۔ (مختصراً- از تجویز اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا: ۲۰۱۱ء)

لہٰذا شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ جو رویہ ہوتا ہے، وہ بھی سراسر ظلم ہے، ہاں! لڑکوں پر اپنے ماں باپ کی خدمت واجب ہے، اگر وہ سعادت مند ہیں، تو خود خدمت کریں، یا خدمت کے لیے نوکرانیاں رکھیں، مگر بیوی کو پورے گھر کی

خدمت پر مجبور نہ کریں، کیوں کہ یہ بالکل جائز نہیں ہے۔

محترم ساجد صاحب! آپ کی تمام پریشانیوں کا حل یہی ہے کہ آپ اپنی بیوی کے لیے علیحدہ رہائش کا انتظام کرو، اس سے آپ کو بھی سکون ملے گا، آپ کی بیوی بھی چین سے رہے گی، اور والدین و بہنوں کا ٹینشن بھی ختم ہوگا۔ آپ یہ نہ سوچیں کہ میرے اِس عمل سے والدین ناراض ہوں گے، معاشرے میں آپ کے متعلق طرح طرح کی باتیں ہوں گی، ملامت کی جائے گی، بدنام کیا جائے گا، **"جورو کے غلام"** جیسی بھپتیاں آپ پر کسی جائیں گی، یا آپ والدین کی نافرمان اولاد کہلاؤ گے، کیوں کہ الگ رہ کر، راحت کا ملنا اور نیک نامی کا حاصل ہونا، دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتے، مگر راحت نیک نامی سے زیادہ ضروری ہے۔ رہی والدین کی خدمت! تو جو کچھ ہوسکے اپنی کمائی سے والدین کی خدمت کرتے رہے، اسی طرح جائز اور نیک کاموں میں اُن کی اطاعت وفرماں برداری کی جائے۔ البتہ والدین کے ہر ایسے حکم کی بجا آوری شرعاً درست نہیں ہے، جس میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو، کیوں کہ حدیث شریف میں ہے: " لا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ ". لہٰذا بیوی کے مطالبے پر اُس کے لیے علیحدہ مکان کا انتظام کرنا، شوہر پر واجب ہے، اور واجب کا ترک کرنا معصیت ہے، اگر والدین اِس معصیت کا حکم دیں، اور یہ کہیں کہ بیوی کو علیحدہ مکان مت دے، تو اُن کی بات نہیں مانی جائے گی۔ (تحفۂ زوجین: ص/۲۰)

حکیم الامت، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص تعویذ لینے آیا کہ اُس کی بہو اُس کی اطاعت نہیں کرتی، حضرت نے فرمایا:

"اس کا تعویذ یہی ہے کہ اس کو اور اپنے لڑکے کو جدا کردو، پھر نہایت درجہ مطیع

ہوجائے گی۔" (یعنی میاں بیوی کو اپنے سے علیحدہ مکان دے کر اُس میں رکھو)

اسی طرح ایک ہندو نے اپنے بیٹے اور بہو کی شکایت کی، وہ بہت تنگ کرتے ہیں، بہو کام کر کے نہیں دیتی، بیٹا بھی پریشان کرتا ہے، حضرت نے اس سے فرمایا:

"اس کا علاج یہ ہے کہ ان کو الگ کردو، وہ الگ رہیں اور تم الگ، بس سب ٹھیک ہوجائیں گے۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ نکاح کے بعد بہو کو اس کے مطالبے پر علیحدہ مکان دے دینا چاہیے، ساتھ رہنے پر اصرار کرنا بہت سی خرابیوں اور جھگڑے فساد کی جڑ ہے، جس سے نہ صرف بہو بیٹے، بلکہ پورے خانوادہ کا چین وسکون تباہ وبرباد ہوجاتا ہے، اور آدمی یہ سوچنے لگتا ہے کہ کاش میرا نکاح ہی نہ ہوتا، کہ نکاح کے بعد موجودہ سکون بھی تباہ وبرباد اور غارت ہوگیا، جیسا کہ آپ سوچ رہے ہیں۔

ساجد: شکریہ مفتی صاحب!

آپ نے اپنا قیمتی وقت دے کر، نہ صرف اسلامی تعلیمات سے متعلق میرے شکوک وشبہات کو دور فرمایا، بلکہ ہمارے پورے خانوادہ کے لیے چین وسکون کی راہ بھی متعین کردی، ان شاء اللہ! اب ہم اِسی راہ پر چل کر زندگی کے حقیقی چین وسکون سے لطف اندوز ہونے کی ازسرِ نو کوشش کریں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبوٰٓا إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾

(القرآن)

(۷)

مُکالمہ بابت

سود کی تباہ کاریاں

کردار:

ترجمان: محمد ساجد

تاجر: حقانی میاں

کاشت کار: ظہور پٹیل

پروفیسر: حامد میاں

عام آدمی: شوکت خان

عام آدمی: رفیق پٹھان

گاؤں کا امام: مولوی محمود

مفتی مجاہد الاسلام صاحب

مقدمہ

ترجمان : محترم حضرات! سود کھانا، سود دینا، سودی حساب لکھنا، سودی شہادت دینا، سودی معاملات کرنا، سودی اسکیموں میں شرکت کرنا، اور اُن سے فائدہ اٹھانا، سب قرآن وحدیث اور عقلِ انسانی کی روشنی میں حرام ہیں، اور اس حرام کا ارتکاب، اخلاقی، معاشی اور تمدنی نقصانات کا سبب، اور قوموں کی تباہی وبربادی کا موجب ہے۔

بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج مسلمان بھی سودی لین اور سودی کاروبار میں ملوث ہوتے جارہے ہیں، اس لیے اس عنوان پر طلبۂ دارالافتاء ایک مکالمہ پیش کرنے جارہے ہیں، امید کہ آپ بغور سماعت فرما کر سود جیسی لعنت سے خود بھی بچیں گے، اور دوسروں کو بچانے کی فکر بھی فرمائیں گے۔

﴿قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا﴾ . (سورۂ تحریم)

اِس مکالمے کے کردار میں......؛

ایک تاجر حقانی میاں،

کاشت کار ظہور پٹیل،

پروفیسر حامد میاں،

عام آدمی شوکت خان، اور رفیق پٹھان،

اور گاؤں کے امام مولوی محمود صاحب ہیں۔

اِن سب کی ملاقات ایک چائے کی ہوٹل پر ہوتی ہے، چائے نوشی کے دوران ہر

کوئی ایک دوسرے کی خیریت اور احوال دریافت کرتا ہے،جس پر ہرکوئی اپنی خیریت اوراحوال بیان کرتا ہے، جسے گاؤں کے امام صاحب مولوی محمود بڑی غور سے سنتے ہیں،اوراس کے بعداس پر اپنا دینی تبصِرہ فرماتے ہیں۔

تو لیجیے!......سماعت فرمائیے!

ظہور پٹیل (حقانی میاں سے): کیا بھئی حقانی میاں!خیریت سے ہیں؟

حقانی میاں: الحمدللہ! میں بہت ہی مزے میں ہوں، کاروبار بھی بڑے زوروں پر ہے، روزانہ ہزاروں کاٹن آور ہورہا ہے، مزید خوشی کی بات یہ ہے کہ بندے نے اپنے کاروبار کوترقی دینے کے لیے، پچاس لاکھ روپے سینٹرل بینک سےلون اٹھایا ہے،جس پر ہر ماہ سود بھرنا پڑتا ہے،لیکن آمدنی اتنی ہے کہ اس سود میں بھری جانے والی رقم بہت معمولی ہے۔کچھ دنوں پہلے ایک نیا مکان تمام جدید سہولتوں سے آراستہ تعمیر کیا، بڑے دھوم سے گھر بھرنی کی، تمام دوست واحباب کو دعوت بھی دی تھی، تمام ہی احباب دعوت کھا کر، مکان دیکھ کر بڑے خوش ہوئے، سب ہی نے میرے تاجرانہ ذہن اور عقل مندی کی داد دِی، اس سال میاں بیوی کے حج کا فارم بھی بھر دیا ہے، دعا کرو نمبر نکل جائے، تاکہ بیت اللہ کی زیارت اور حضور ﷺ کے در پر حاضری بھی نصیب ہوجائے۔

حقانی میاں (ظہور پٹیل سے): آپ اپنی بھی تو کچھ سنائیے!

ظہور پٹیل: الحمدللہ! ویسے تو میں بھی مزے میں ہی ہوں،لیکن کچھ پریشانی تھی، اس سال کھیت میں کپاس، گنا وغیرہ لگانا تھا،جس کے لیے پانی کی

ضرورت ہے، ندی سے کھیت تک پائپ لائن کا خرچ تقریباً دولاکھ روپئے ہوتا تھا، میرے پاس اتنے پیسے نہیں تھے،لیکن اللہ جزائے خیر دے شاہ نواز پٹیل کو، کہ وہ عین وقت پر میرے کام آگئے، اور دولاکھ روپئے، دس روپئے سیکڑا ماہانہ سود کے حساب سے قرض دے کر مجھے نوازا، اس طرح میرا کام بن گیا، پائپ لائن ہوگئی اور کپاس وگنا بھی لگ گیا، کپاس میں بونڈے لگ گئے، اور گنا کمر اتنا ہوگیا ہے، اب دعا کرو کہ اللہ پاک اس فصل کو آفت سے بچالے، تاکہ یہ سودی قرض ادا ہوجائے، اور باقی رقم سے عید- بارات، بچوں کی شادی بیاہ کے کپڑے لتّے اور دیگر ضرورتیں پوری ہوجائیں۔

شوکت خان (پروفیسر حامد سے):

جی پروفیسر حامد صاحب! آپ کا کیا حال ہے؟

حامد میاں: اللہ کا کرم ہے!......میں خوش حال ہوں، ہر ماہ ۲۵/ہزار روپئے تنخواہ ملتی ہے، جس سے گھر کے تمام اخراجات پورے ہوجاتے ہیں، تمہاری بھابی کی یہ خواہش تھی کہ گھر میں کوئی چھوٹی موٹی فورو ہیلر گاڑی ہوتی، تو اچھا ہوتا، تاکہ عزیز واقارب کی خوشی وغمی میں شرکت اور چھٹی کے دنوں میں گھومنے پھرنے ، سیر وسیاحت کے کام آتی۔ اللہ کا اتنا احسان ہے کہ اس نے اِدھر اپنی خواہش کا اظہار کیا، اور دوسرے ہی دن میں نے ’’لوک مت‘‘ اخبار میں اسٹیٹ بینک کا یہ اشتہار پڑھا:

’’انتہائی کم شرحِ سود پر آپ اپنی گاڑی خرید سکتے ہیں‘‘

پھر کیا تھا، میں نے اُسی وقت اشتہار میں موجود موبائل نمبر ملایا، اور تمام معلومات حاصل کی، براہِ راست رابطہ کر کے ضروری کاغذات تیار کیے، اور الحمدللہ! اِسی ماہ کی پہلی تاریخ کو بالکل نئی پیٹی پیک ''فورچُونر'' گاڑی شوروم سے اُٹھالی، اس طرح تمہاری بھابی کی خواہش پوری ہوگئی، اور اب وہ بڑی خوش ہیں۔

حامد میاں (شوکت خان سے): آج کل آپ کی کیا مصروفیت ہے؟

شوکت خان: اپنا کیا پوچھنے کا، چاروں انگلیاں گھی میں ہیں، گھی میں!!

آج کل مارکیٹ میں ایک نئی کمپنی وجود میں آئی ہے، اس میں کچھ نہیں کرنے کا، نِستا (صرف) پانچ سو روپئے دے کر، اُس کا ممبر بن جانے کا، ممبر بننے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کمپنی کی جو چیزیں مارکیٹ میں، مثلاً: پچاس روپئے میں ملتی ہیں، وہ اس ممبر کو چالیس روپئے میں ملیں گی، اور اس ممبر شخص پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ اور پانچ ممبر تیار کرے، اگر وہ پانچ ممبر تیار کرتا ہے، تو اسے اس ممبر سازی پر ایک ہزار روپئے ملتے ہیں، اور جب اس کے بنائے ہوئے یہ پانچ ممبر الگ سے اپنے پانچ پانچ ممبر بناتے ہیں، تو اس کا فائدہ بھی کمپنی پہلے والے شخص کو دیتی ہے، اس طرح یہ سلسلہ جتنا آگے بڑھتا جائے گا، اُس کا فائدہ پہلے والے شخص کو بھی ہوتا رہے گا۔

میں نے الحمدللہ! کمپنی کو پانچ سو روپئے دے کر، اُس کی ممبر شپ حاصل کرلی ہے، اور آگے تین ممبر بنا چکا ہوں، وہ بھی اپنے ممبر بنا رہے ہیں، اس کا فائدہ بھی مجھ کو ہو رہا ہے، اور مزید فائدے کی آ وَشُشکَنْتا (اُمید) ہے۔ (چلتے چلتے......)

اور ہاں! سنو!......دو ممبر ابھی باقی ہیں، اگر تمہارے میں سے کسی کو ممبر بننے کا ہے،

تو بولو! ابھی تمہارے نام لکھ لیتا ہوں ،تاکہ تم بھی اس کمپنی کے ممبر بن کر ،آگے اور ممبر بنانا شروع کردو، اور ہاں! بعد میں مت بولنا کہ خبر نہیں تھی ،تمہارے کانوں پے میں نے یہ بات ڈال دی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ؛ شادی کے موقع پر میرے سسرے نے کچھ نقد رقم ہدیہ (سپریم بھیٹ) میں دی تھی ،میں نے سوچا ان پیسوں کو گھر میں رکھنے سے یہ ڈبل ہونے والے تو ہیں نہیں، اس لیے وہ پیسے میں نے پانچ سال کے لیے فکس ڈپازٹ میں رکھ دیا، چار سال ہو گئے ، یہ پانچواں سال ہے، وہ جمع کرائی ہوئی رقم اب ڈبل ہو کے میرے کو ملے گی۔

حامد میاں (رفیق پٹھان سے): ارے پٹھان صاحب!

آپ بھی تو خیریت سے ہیں نا؟

رفیق پٹھان : میں آپ تمام لوگوں کی باتیں سن رہا تھا، کہ آپ لوگ کس طرح ترقی کی راہ پر چل رہے ہیں؟ میرے نزدیک یہ کوئی ترقی نہیں، ترقی وہ ہے جسے میں نے اپنا رکھا ہے، ترقی کا ایسا راستہ کہ پھٹاک سے آدمی کے پاس پیسے آجاتے ہیں، اور ایک ''روڈ پتی'' آدمی دیکھتے ہی دیکھتے ''کروڑ پتی'' بن جاتا ہے، ذرا بھی مغز ماری نہیں کرنا پڑتی۔

سب یک زبان ہو کر پوچھنے لگے: وہ کیا؟؟؟؟؟

رفیق پٹھان : میری پرانی عادت ہے کہ چلتے پھرتے پانچ پچاس روپئے کے لاٹری ٹکٹ خرید لیتا ہوں ، پھر اخبار میں اپنی لاٹری نمبر دیکھتا رہتا

ہوں ، کہ میرا نمبر نکلا یا نہیں ؟......ابھی پندرہ دن پہلے کی بات ہے، میں اخبار دیکھ رہا تھا، تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس میں میرے نام ایک کروڑ کی لاٹری لگ گئی ، پھر کیا تھا،...... پورے خاندان میں خوشیاں منائی گئیں، دوستوں نے میری دعوتیں کیں، اور میں نے انجینئر کو بلا کر ایک شان دار- جان دار بنگلے کا پلان بنانے کا آرڈر کیا، شوروم سے رابطہ کر کے نئی ''اِنوواکار'' بکنگ کروالی ، پانچ دس روز میں وہ بھی آنے والی ہے۔...... دوستوں نے مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اتنی بڑی رقم بلا کسی محنت ومشقت کے دیدی ،تو شکرانے کے طور پر عمرہ کرلو، الحمدللہ! ٹور والوں سے بات چیت بھی ہوگئی ہے، اور اِن شاء اللہ ۱۵ر جولائی......کو گھر کے پورے پانچ افراد کے ساتھ عمرہ کے لیے روانگی ہوگی۔

دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ اس مبارک سفر میں سلامتی عطا فرمائے!

(**رفیق پٹھان** بڑے فخریہ انداز میں کالر اونچی کرتے ہوئے ،شانے اُچکاتے ہوئے ظہور پٹیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے):

کیا پٹیل! کیسی رہی پھر اپنی لاٹری؟ اس کو بولتے ہیں دماغ! پٹھان کا دماغ! اپُن پٹھان کا بچہ جو ٹھہرا......!

(گاؤں کے امام مولوی محمود صاحب، جو بازو والے ٹیبل پر بیٹھے چائے کا مزہ لیتے ہوئے ، کان لگا کر غور سے، اِن سب کی باتیں سن رہے تھے، جب ان لوگوں کی گپ شپ ختم ہوئی......تو مولوی جی فوراً بول اٹھے):

مولوی محمود: بھائیو! میں نے آپ لوگوں کی تمام باتیں سنی ،تو

بڑا افسوس ہوا، کہ آپ مسلمان ہوتے ہوئے سود، جوئے، سٹے اور لاٹری جیسے حرام کاموں میں مبتلا ہوں، ہم سب مسلمان ہیں، اسلام نے ہم کو سود، جوئے، سٹے اور ہر غلط طریقے سے مال کمانے اور کھانے سے منع کیا ہے۔

حقانی میاں : مولوی صاحب! آپ نرے مولوی ہیں، مفتی نہیں، آپ نے کیسے کہہ دیا کہ ہم سود اور جوئے میں مبتلا ہیں، کیا کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ تجارت کو ترقی دینے اور کاشت کاری میں جدید کاری کے لیے، سودی قرض لینا، اسی طرح لون پر گاڑی اُٹھانا، اور ملٹی لیول کمپنی کا ممبر بننا، بنانا، لاٹری کے ٹکٹ خریدنا، شرعاً ناجائز وحرام ہیں؟

مولوی محمود: ہاں! ہاں! میں نے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا - جو نہ صرف مہاراشٹر بلکہ ملک کا ایک عظیم دینی ادارہ ہے- اُس کے دارالافتاء سے شائع ایک پمفلٹ، جس کا عنوان ''سود سے بچو اور بچاؤ'' ہے، اس میں پڑھا تھا۔

حقانی میاں: نہیں! نہیں! میں کسی اشتہار و پمفلٹ پر اعتبار نہیں کرتا۔

مولوی محمود: اگر آپ کو پمفلٹ واشتہار پر اعتبار نہیں، تو کل ہم دارالافتاء سے رجوع کرتے ہیں، کل سنڈے (اِتوار) بھی ہے، پروفیسر صاحب کے کالج کی چھٹی ہے، آپ کی دکان بھی بند رہے گی، ظہور پٹیل، شوکت خان اور پٹھان صاحب تو فرصت علی خان ہیں، ویسے بھی چائے خانے پر ہی دن کا اکثر حصہ گزار دیتے ہیں، کل ہی اپنے دارالافتاء پہنچ کر خلاصہ کرلیں گے۔

(اتوار کے دن یہ تمام حضرات دارالافتاء پہنچتے ہیں مفتی صاحب تشریف فرما ہیں!)

سب ایک ساتھ: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

مفتی صاحب: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

فرمایئے جناب مولانا! کیا حال ہے؟ کیسے آنا ہوا؟ کہیں آج فجر کی نماز میں کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی، جو تمام مصلیوں کو لے کر حاضر ہوئے؟

مولوی محمود: نہیں! مفتی صاحب، بات یہ نہیں، اصل بات یہ ہے کہ یہ حضرات ہمارے مُصلّی ہیں۔ (سب کا تعارف کراتے ہوئے)

یہ ہیں حقانی میاں،...... شہر کے بڑے تاجروں میں اُن کا شمار ہوتا ہے، اِنہوں نے اپنی تجارت کو فروغ وترقی دینے کے لیے اسٹیٹ بینک آف انڈیا سے ۵۰/ لاکھ روپئے سودی قرض لیا ہے۔

یہ دوسرے صاحب ظہور پٹیل ہیں،...... اِن کی اپنی ایک زمین ہے، جس میں کاشت کی جدید کاری کے لیے اِنہوں نے ایک صاحب سے دو لاکھ روپیہ سودی قرض لیا ہوا ہے۔

اور یہ تیسرے صاحب ''الفلاح ہائی اسکول'' کے سینئر پروفیسر ہیں،...... اِنہوں نے بینک لون پر گاڑی نکالی ہے۔

اور یہ چوتھے صاحب شوکت خان ہیں،...... جو ملٹی لیول مارکیٹنگ کے ممبر ہیں، اور اُس کی ممبر سازی کا کام کرتے ہیں۔

اور یہ ہیں پٹھان صاحب،...... جن کے نام کچھ روز پہلے ہی ایک کروڑ کی لاٹری لگی ہے۔

(مولوی محمود اپنی بات جاری رکھتے ہوئے):

میں نے اِن حضرات سے کہا کہ آپ لوگ سود اور جوئے جیسے ناجائز وحرام کام میں مبتلا ہوں ،تو انہوں نے میری بات کا اعتبار نہیں کیا ،اس لیے اِن تمام کو لے کر آپ دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں ،اب آپ اِنہیں بتائیے کہ جو کام یہ کررہے ہیں ،آیا وہ شرعاً ناجائز وحرام ہیں؟ یا نہیں؟

مفتی صاحب:

الحمد للّٰہ رب العالمین ، والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین ، أما بعد !

محترم حضرات !

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ ہم اور آپ سب مسلمان ہیں ، اور حقیقی معنوں میں مسلمان وہی ہوتا ہے ، جو احکامِ اسلام کا پابند ہو، اسی لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ،کوئی بھی کام کرنے سے پہلے وہ یہ جان لے کہ شریعت اِس سلسلے میں کیا کہتی ہے؟ آیا وہ کام جائز ہے یا ناجائز؟ جیسا کہ فقہ کا قاعدہ ہے:

” لا یَجُوْزُ لِمُسْلِمٍ أَنْ یَّتَصَرَّفَ أَوْ یَفْعَلَ فِعْلاً إِلَّا بَعْدَ مَعْرِفَۃِ حُکْمِ اللّٰہِ فِیْہِ “ . (موسوعۃ قواعد الفقہیۃ:۸/۱۵)

آپ حضرات کو چاہیے تھا کہ پہلے حکمِ خداوندی کو معلوم کرتے ، پھر کوئی قدم اُٹھاتے ،لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا ،اور گناہ گار ہوئے ! کیوں کہ سود یعنی اصل قرضہ پر زیادتی ،یا بلا معاوضۂ مال ،مال پر زیادتی ،خواہ یہ کم ہو یا زیادہ۔(تنویر مع الدر

والرد: ۷/ ۳۹۸- ۴۰۱، روح المعانی:۳/ ۹۷، مکتبہ زکریا) اور جوا؛ یعنی مِلک کو خطرے پر معلق کرنا، درآں حالانکہ دونوں جانب میں مال ہو، شرعاً ناجائز وحرام ہے۔
(معجم لغۃ الفقہاء:ص/ ۳۶۹، شامی: ۹/ ۵۷۷)

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ . (سورۂ بقرہ: ۲۷۵)

’’اللہ پاک نے خرید وفروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام قرار دیا۔‘‘

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً﴾ .

’’اے ایمان والو! سود بڑھا چڑھا کر مت کھاؤ۔‘‘

دوسری جگہ فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ، فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ . ’’اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو، تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔‘‘ (سورۂ بقرہ: ۲۷۸)

علامہ عبد الماجد دریابادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(اس آیت میں اللہ رب العزت ہم سب کو مخاطب بنا کر فرما رہے ہیں کہ) اگر اس حکم، یعنی حرمتِ سود پر عمل نہ کرو نگے، تو تم سے باغیوں اور مرتدوں کی طرح لڑائی کی جائے گی، اتنی سخت وعید قرآن مجید میں کسی دوسری معصیت ونافرمانی کے لیے نہیں آئی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی سے جو منقول

ہے کہ ’’سود کو بھی چھوڑ دو اور اس کے مشابہ چیزوں کو بھی‘‘، وہ اِسی قرآنی وعید کا قدرتی نتیجہ ہے، جب جسمانی بیماریوں کا یہ حال ہے کہ کسی مرض کو طبیب اگر سخت مرض سے مشابہ پاتا ہے، تو احتیاطاً علاج اس سخت تر مرض کا شروع کر دیتا ہے، تو جو مسلمان تقویٰ کا ادنی درجہ بھی رکھتے ہیں، اُن پر بھی یہی لازم ہے کہ نہ صرف کھلے ہوئے سود سے بچیں، بلکہ ایسی مالی و کاروباری صورتوں سے بھی احتیاطاً بچتے رہیں، جن کا سودی ہونا مشتبہ ہے۔ (تفسیر ماجدی)

تیسری جگہ ارشاد ہے: ﴿اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ . ’’وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں کھڑے ہونگے قیامت میں قبروں سے، جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا آدمی جس کو شیطان خبطی بنادے لپٹ کر۔‘‘ (سورۂ بقرہ:۲۷۵)

اصل منظر تو یہ قیامت کے دن کا ہے کہ آخرت میں اپنی قبروں سے اٹھنے پر، یہ سود خور سیدھے کھڑے تک نہ ہوسکیں گے، کھڑے ہونگے بھی تو متوالوں، خبطیوں، دیوانوں کی طرح گرتے پڑتے لڑکھڑاتے ہوئے، لیکن اُس کا ایک ہلکا سارنگ اِسی دنیا ہی میں نظر آجاتا ہے، مہاجن، ساہوکار جو روپیہ کے پیچھے دیوانہ باؤلا رہتا ہے، واقعی ایسا معلوم ہوتا ہے اُس کے جن یا بھوت چمٹ گیا ہے، اور اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے اُس پر سود یا بیاج ہی سوار رہتا ہے۔ اور جس کی حرص وطمع کی پیاس دنیا میں اتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ لازم ہے کہ اس کا حشر بھی اسی مخبوط، جنون زدہ حالت کے ساتھ ہو۔ اہلِ کشف اور محققین کا بیان

ہے کہ حشر میں انسان اسی صورت کے ساتھ اٹھے گا،جس قسم کی سیرت اور خصلتیں دنیا میں اس پر غالب رہی ہوں گی۔ (تفسیر ماجدی)

چوتھی جگہ ارشاد ہے: ﴿یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ، وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ﴾ . ’’مٹا دیتا ہے اللہ سود کو اور بڑھا دیتا ہے صدقات کو، اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا کسی کفر کرنے ، گناہ کا کام کرنے والے کو۔‘‘ (سورۂ بقرہ:۲۷۶)

(اس آیت میں سود اور صدقہ کا موازنہ ہے کہ) سود میں برکت وخیریت برائے نام بھی نظر نہ آئے گی۔ اور صدقات کا اَجر بے حساب ملے گا،لیکن دنیا میں بھی اس کا ظہور کسی نہ کسی حد تک ہوتا ہی رہتا ہے،سود خوار قوموں کا انجام بارہا آپس کی خون ریزی اور تباہی و بربادی ہی پر ہوا ہے، اور افراد میں بھی مشاہدہ ہے کہ سود خوری کی عادت بنیوں ،مہاجنوں کے دل میں روپیہ کو فی نفسہٖ محبوب بنادیتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سود خور، زر و دولت سے دنیوی لطف بھی نہیں اٹھا پاتا، اس کے مقابل صدقہ کی برکتیں ، ملی غم خواری وہم دردی ، ایک دوسرے کی مشارکت ومعاوَنت قوم اور افراد دونوں میں مشاہدہ کی چیزیں ہیں۔بینکوں کے آئے دن ٹوٹنے ،مہاجنوں اور بنیوں کے دیوالہ نکلتے رہنے، اور پھر اس سے ہزاروں گھروں کی تباہی و بربادی کس نے نہیں دیکھی ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کا راز بھی سودی کاروبار کی ترویج ہے۔ (تفسیر ماجدی)

نیز جوئے کے متعلق ارشادِ باری ہے: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ﴾ . ''اے ایمان والو! شراب اور جُوا اور بت اور پانسے تو بس نری گندی باتیں ہیں، شیطان کے کام، سو اس سے بچے رہو، تاکہ فلاح پاؤ۔'' (سورۂ مائدہ: ۹۰)

شراب نوشی اور قمار بازی کی دنیوی مضرتوں اور اخلاقی قباحتوں میں سب سے بڑی اور کلیدی مضرت؛ خانہ جنگی کی طرف قرآنِ کریم نے اشارہ کردیا، شراب وقمار دونوں کے مضر اثرات شر وفساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔

''جاہلیتِ عرب'' کے مہذب باشندے ان دونوں بلاؤں میں بری طرح مبتلا تھے، ٹھیک اسی طرح جیسے، آج ''جاہلیتِ فرہنگ'' کی مہذب آبادی پر بھی دونوں بلائیں بری طرح مسلط ہیں۔ (تفسیر ماجدی)

یہ سود اور جوئے کی حرمت سے متعلق صاف اور صریح قرآنی آیات تھیں۔

اب آیئے! پیارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کو بھی سن لیجیے:

۱- حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے پر، سود دینے والے پر، سودی تحریر یا حساب لکھنے والے پر، اور سودی شہادت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے، اور یہ فرمایا یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔'' (صحیح مسلم)

۲- حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں، ان میں سب سے کم تر قسم ایسی ہے جیسے کوئی اپنی ماں کے ساتھ زنا کرے۔'' (بیہقی، مشکوۃ المصابیح: ص/ ۲۴۵، ۲۴۶)

۳- حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

’’سود کا ایک درہم جس کو آدمی حاصل کرے وہ اللہ کے نزدیک اسلام میں تینتیس (۳۳) مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ بڑا گناہ ہے۔‘‘

(طبرانی فی الکبیر،مشکوۃ المصابیح ص/ ۲۴۵،۲۴۶ احمد)

۴- حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ:

’’جس قوم میں سود عام ہو جائے، وہ قوم یقیناً قحط سالی میں گرفتار ہو جاتی ہے، اور جس قوم میں رشوت پھیل جائے وہ مرعوبیت میں مبتلا ہو جاتی ہے۔‘‘ (مسند احمد)

۵- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ:

’’جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتا ہے، تو ان میں ربوا یعنی سودی کاروبار پھیل جاتا ہے۔‘‘ (رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس)

اب تک تو آپ قرآن وحدیث سے سود اور جوئے کی حرمت سن رہے تھے، اب آیئے! ذرا عقل کی روشنی میں بھی سود اور جوئے کی حرمت کو سمجھ لیں:

کسی چیز میں نفع وقتی اور عارضی ہو، اور نقصان اُس کا دائمی ہو، تو اسے کوئی عقل مند مفید نہیں کہتا، ٹھیک اسی طرح اگر کسی چیز کا نفع شخصی اور انفرادی ہو، اور اس کا نقصان پوری جماعت کو پہنچتا ہو، تو اسے بھی کوئی مفید نہیں کہتا، مسئلۂ سود پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں سود خوروں کے وقتی نفع کے مقابلے میں،

اس کا اخلاقی نقصان بہت زیادہ ہے، اس درجہ کہ انہیں انسانیت ہی سے نکال دیتا ہے، اور ان کے اس وقتی نفع کی وجہ سے پوری قوم کو عظیم نقصان اور خطرناک معاشی بحران کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

مسئلۂ سود آج پوری انسانیت کے لیے تباہی و بربادی کا سبب بنتا جارہا ہے، اور لوگ سودی کاروبار کو معاشی مسئلہ کا حل، اور معاشیات میں اس کو ریڑھ کی ہڈی قرار دے رہے ہیں، جب کہ یہ معاشیات کے لیے ریڑھ کی ہڈی نہیں، بلکہ ریڑھ کی ہڈی میں پیدا ہونے والا ایک خطرناک کیڑا ہے، جو اس کو کھا رہا ہے۔

نیز ہم اور آپ جانتے ہیں کہ سود سے:

(۱) اخلاقی وروحانی گراوٹ، خودغرضی، بخل، تنگ دلی اور سنگ دلی پیدا ہوجاتی ہے۔

(۲) سماج اور معاشرہ کا عدمِ استحکام، یعنی آپس میں محبت کی بجائے باہمی بغض، حسد، بے دردی، بے تعلقی، انتشار، منافرت اور پراگندگی جنم لیتی ہے۔

(۳) قوم وملت کے وہ کام جو انتہائی ضروری اور مفید ہوتے ہیں، شرحِ سود کے برابر باعثِ نفع نہ ہونے کی وجہ سے ملتوی ہوکر رہ جاتے ہیں، اور ملک کے تمام مالی وسائل ان کاموں میں صرف کیے جاتے ہیں، جو بازار کی شرحِ سود کے برابر نفع بخش ہوتے ہیں، سودخور کو کاروبار کے نفع ونقصان سے کوئی دل چسپی نہیں ہوتی، وہ محض اپنے منافع پر نگاہ رکھتا ہے، اور جب کبھی اسے یہ اندیشہ لاحق ہوتا ہے کہ کاروبار مندی کا شکار ہونے جارہا ہے، تو وہ سب سے پہلے اپنا روپیہ کھینچنے کی فکر کرتا ہے، جس کی وجہ سے کاروباری کی مندی انتہائی تباہ کن صورت اختیار

کر جاتی ہے،اور پورا عالم کساد بازاری کا شکار ہو جاتا ہے۔

(جیسا کہ آج کی عالمی معیشت کی کساد بازاری اس پر شاہد ہے، اور ہزاروں، لاکھوں افراد خودکشی کرنے پر مجبور ہو گئے ،اور بے شمار ملازمین اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو بیٹھے، جب تک سود کی لعنت سے دنیا کو پاک نہیں کیا جاتا، دنیا اس طرح کے بحران کا شکار ہوتی رہے گی۔)

حقانی میاں (درمیان میں اعتراض کرتے ہوئے):

محترم مفتی صاحب! آپ نے قرآن وحدیث اور عقل کی روشنی میں سود اور جوئے کی حرمت کو اتنے اچھے انداز سے سمجھایا، کہ بات پوری طرح سے سمجھ میں آگئی، اور اپنے گناہ گار ہونے کا احساس بھی ہو چلا، لیکن میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ آج پوری دنیا میں سودی کاروبار و معاملات کا دور دورہ ہے، تو ایک مسلمان کس طرح اپنے دامن کو سودی لین دین سے بچا سکتا ہے؟ کیا آپ کے پاس اس سے بچنے کے لیے کوئی متبادل صورت بھی ہے؟

مفتی صاحب: ہاں! ہاں! کیوں نہیں؛ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو سود وانٹریسٹ سے بچنے کے کئی طریقے بتلائے ہیں: (مفتی صاحب تاجر حقانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے): حقانی صاحب! آپ اپنی تجارت کو فروغ دینے کے لیے مشارکت (Partnership) کو اپنا سکتے ہیں۔

مشارَکت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اگر آپ کاروبار کو ترقی دینے کے لیے کسی سے کوئی قرض لیں، تو اسے اپنے کاروبار میں حصہ دار بنائیے، اور نفع کا فیصد متعین

کیجیے، اگر کاروبار میں نقصان ہو، تو آپ کا پارٹنر بھی اپنے سرمایہ کے تناسب سے نقصان میں آپ کا شریک ہوگا، مثلاً کاروبار میں آپ کا سرمایہ ۷۰۰/روپئے ہوں اور آپ کے پارٹنر کا ۳۰۰/روپئے، تو نقصان کی صورت میں آپ کا نقصان ۷۰/ فی صد ہوگا، اور آپ کے پارٹنر کا ۳۰/فی صد۔ شرکت کی اس صورت میں کسی ایک فریق کے لیے نفع کی ایک خاص مقدار متعین کرنا، مثلاً یہ شرط لگانا کہ مجھے ہر ماہ ۱۰۰/روپئے نفع ملنا ضروری ہے، درست نہیں ہے۔

اسی طرح اگر کسی شخص کے پاس تجارت کی صلاحیتیں تو ہیں، مگر سرمایہ نہیں، تو وہ مضاربت (Sleeping partnership) کی صورت کو اپنا سکتا ہے۔

مضارَبت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ ایک شخص کا سرمایہ ہو، اور دوسرے شخص کی محنت، اور نفع دونوں کی باہمی رضامندی سے طے کیا جائے، اس صورت میں کاروبار میں نفع ہو، تو طے شدہ معاہدے کے مطابق فریقین میں تقسیم ہوگا، اور اگر نقصان ہو، تو پہلے اس کی تلافی کاروبار میں ہونے والے نفع سے کی جائے گی، اگر نفع اور نقصان دونوں برابر ہیں، تو فریقین میں سے کسی کو کچھ بھی نہیں ملے گا، اور نقصان کے نفع سے بڑھ جانے کی صورت میں یہ نقصان صرف اور صرف سرمایہ لگانے والے کا ہوگا۔

(**مفتی صاحب** پٹیل ظہور صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے):

پٹیل صاحب! آپ اپنی زراعت کو ترقی دینے کے لیے مزارَعت (Crop sharing) کی صورت کو اپنا سکتے ہیں۔

مزارَعت کا طریقۂ کار یہ ہے کہ:

(۱) آپ بٹائی دار سے یہ کہیں کہ میں تم کو اپنی زمین بٹائی پر دیتا ہوں، بیج اور کاشت کے آلات میرے ہونگے، اور آپ کی طرف سے کاشت کا عمل۔

(۲) یا یوں کہیں کہ زمین میری ہوگی، آلۂ کاشت، بیج اور عمل آپ کا ہوگا۔

(۳) یا یوں کہیں کہ زمین اور بیج میرا ہوگا، عمل اور آلۂ کاشت آپ کا، اور جو بھی پیداوار ہوگی اس میں میرا تناسب، مثلاً: نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ اور باقی آپ کا ہوگا۔......شرعاً بٹائی کی یہ تینوں صورتیں جائز ہیں۔

عام طور پر بٹائی داری میں بھی کسی ایک فریق کے لیے، پیداوار کی ایک مقدار، یا کھیت کے کسی ایک حصہ کی پیداوار متعین کردی جاتی ہے، مثلاً: بٹائی دار مالکِ زمین کو ایک کوئنٹل گیہوں دے گا، خواہ پیداوار کچھ بھی ہو، یا کھیت کے اِس حصہ کی پیداوار مالکِ زمین کے لیے ہوگی، خواہ دوسرے حصوں کی پیداوار کچھ بھی ہو، شرعاً یہ جائز نہیں ہے۔

(**مفتی صاحب** پروفیسر حامد میاں کی طرف متوجہ ہوکر):

حامد میاں! آپ گاڑی خریدنے کے لیے مرابحہ(Resale with a stated profit) کی صورت اپنا سکتے ہیں۔

مُرابحَہ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کی ضرورت ہے، اور اسے خریدنے کے لیے اُس کے پاس پیسہ نہیں ہے، تو جس شخص کے پاس پیسہ ہے، وہ اُس چیز کو نقد خرید کر، ضرورت مند شخص کو نفع کے ساتھ اُدھار بیچ دے، شرعاً یہ

طریقہ جائز ہے۔...... اگر بینکوں کے موجودہ نظام میں یہ صورت اپنائی جاتی ہے، تو جہاں مسلمان سودی معاملہ سے بچیں گے، وہیں بینک بھی سود کی تباہ کاریوں سے بچ جائیں گے۔

(**مفتی صاحب** شوکت خان سے مخاطب ہوکر):

خان صاحب! ملٹی لیول کمپنی، ممبر سازی پر آپ کو جو کمیشن دیتی ہے، یہ کمیشن صرف اُن خریداروں تک محدود نہیں رہتا، جن کو آپ نے خریدار بنایا ہے، بلکہ آپ کے ذریعے بنے ہوئے خریداروں (ممبروں) سے آگے، جو بھی خریدار اور ممبر تیار ہوں گے، ان کی خریداری پر بھی آپ کو کمیشن ملتا رہے گا، اور مرحلہ وار یہ سلسلہ بہت آگے تک چلا جائے گا، جب کہ شریعتِ اسلامیہ نے سرمایہ سے منافع حاصل کرنے کا جو اصول رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ سرمایہ کے ساتھ محنت ہو، محض زر سے زر حاصل نہ کیا جائے، اس لیے کہ زر سے زر حاصل کرنا غیر فطری عمل ہے، وہ اس طرح کہ زر میں فطرۃً خود بخود بڑھنے کی صلاحیت نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ سود کو حرام قرار دیا گیا، اس اصول کے اعتبار سے آپ جس اسکیم سے جڑے ہوئے ہیں، شرعاً وہ جائز نہیں ہے۔ اور نہ صرف یہ اسکیم، بلکہ اس طرح کی دیگر اسکیمیں مثلاً آرسی ایم، این مارٹ، نیٹ سرفنگ وغیرہ، جن کے صرف نام بدلے ہوئے ہیں، اور طریقۂ کار وہی ہے جو ملٹی لیول مارکیٹنگ کا ہے۔ شرعاً وہ بھی درست نہیں ہیں۔

(**مفتی صاحب** رفیق پٹھان کی طرف متوجہ ہوکر):

پٹھان صاحب! آپ کی لاٹری لگنے کی وجہ سے آپ بڑے خوش ہیں، کہ اتنی

بڑی رقم کے آپ مالک بن گئے، لیکن یہ خوشی وقتی اور عارضی ہے، اور اس کی تباہ کاری دائمی اور اَبدی ہے، کیوں کہ جوئے اور لاٹری کے مضر اثرات شر وفساد کی شکل میں روزمرہ کے مشاہدے ہیں۔

اور جوئے کی لت میں پڑ کر بڑے بڑے مشاہیر واکابر اپنی دولت، سلطنت، عزت وناموس تک گنواں بیٹھے ہیں۔

نیز اس طرح سے حاصل شدہ آمدنی شریعت کی نگاہ میں حرام ہے، اور آپ کو پتہ ہے حرام غذا کس طرح انسان کی دنیا اور آخرت کو برباد کردیتی ہے؟ صرف ایک آیت اور حدیث آپ سن لیجیے:

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ أَكَلَ لُقْمَةً مِّنْ حَرَامٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ، وَلَمْ تُسْتَجَبْ لَهُ دَعْوَةٌ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا ، وَكُلُّ لَحْمٍ نَبَتَ مِنَ الْحَرَامِ فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهِ ، وَإِنَّ اللُّقْمَةَ الْوَاحِدَةَ مِنَ الْحَرَامِ لَتُنْبِتُ اللَّحْمَ".

"اگر کوئی آدمی حرام کا ایک لقمہ کھاتا ہے، تو چالیس دن تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی، اور جو گوشت حرام مال سے پرورش پاتا ہے، تو جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے، اور حرام کے ایک لقمہ سے بھی تو گوشت پیدا ہوتا ہے۔" (کنز العمال:۴/۸)

لہٰذا اب آپ کو چاہیے کہ یہ پوری رقم بلا نیتِ ثواب، صدقہ کر کے اس کے وبال سے اپنے آپ کو بچائیں!

(**سب** کی طرف سے ایک ترجمان مفتی صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے):
ہم تمام آپ کے بڑے شکرگزار ہیں، کہ آپ نے اپنا اتنا قیمتی وقت دے کر، نہ صرف سود اور جوئے کی حرمت سے آگاہ کیا، بلکہ اس سے بچنے کی متبادل صورتیں بھی ہمیں بتلادیں۔ **فجزاکم اللہ أحسن الجزاء !**

مفتی صاحب: اس میں شکریہ کی کیا بات ہے؟ یہ تو ہمارا فرض تھا، جو ہم نے ادا کیا، اللہ پاک ہم سب کو اپنے دین کی صحیح سمجھ، اور اس کے مطابق عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

(**سب** بیک زبان ہوکر): آمین یارب العالمین!

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

﴿تلك حدود الله فلا تعتدوها ومن يتعدّ حدود الله فاولئك هم الظّٰلمون ۝﴾ ۔ (القرآن)

مجموع الضروريات خمسة :

- حفظ الدين ،
- حفظ النفس ،
- حفظ النسل ،
- حفظ المال ،
- حفظ العقل ،

(۸)

مکالمہ بابت

سماج ومعاشرے میں پنپتے جرائم اور اُن کا انسداد

(قسط اول)

کردار:

(۱) ترجمان/پیش کار،

(۲) پی ایس آئی (PSI)

(۳) وکیل استغاثہ (سرکاری وکیل)

(۴) وکیل دفاع (مجرموں کا وکیل)

(۵) چیف جسٹس اول (مجاہد الاسلام قاسمی)

(۶) چیف جسٹس ثانی (محمد تقی عثمانی)

مقدمات کی نوعیت

(۱) مرڈر کیس، مقتول کے اولیاء قاتل کے خلاف،

(۲) عصمت دری سے متاثرہ لڑکی کے باپ کی فریاد زانی کے خلاف،

(۳) مالک مکان چور کے خلاف،

(۴) بوڑھے انسان کی شکایت ایک اُچکے اور لُٹیرے کے خلاف، جس نے اس کی پینشن والی کمائی پر ہاتھ صاف کیا،

(۵) پڑوسی کی رپورٹ شرابی کے خلاف،

(۶) رشوت دینے والے ٹھیکیدار کی فریاد رشوت خور آفیسر کے خلاف،

تمہید

ترجمان: محترم حضرات!

ہم جس معاشرے میں زندگی گزار رہے ہیں، آج وہ مختلف جرائم کا گہوارہ بن چکا ہے، آئے دن قتل ، چوری ، ڈکیتی، بدکاری اور رشوت ستانی وغیرہ کے واقعات اخباروں کی شہ سرخیاں بن رہی ہیں، یہ وہ جرائم ہیں، جس نے معاشرے کے چین وسکون اور امن وامان کو غارت کر کے رکھ دیا، حکومتِ وقت اِن جرائم کی روک تھام کے لیے پوری طرح کمر بستہ ہوچکی ہے، اور سخت قوانین بھی بنارہی ہے، مگر اس کے باوجود جرائم کا یہ سیلاب تھمتا ہوانہیں دکھائی دیتا، جو اِس بات کا غماز ہے کہ ہمیں اِس سیلاب کو روکنے کے لیے مزید کچھ کرگزرنے کی ضرورت ہے۔

اسی ضرورت کو اُجاگر کرنے کے لیے، جامعہ کے شعبۂ افتا کے طلبہ آپ حضرات کے سامنے ایک مکالمہ پیش کررہے ہیں، تو آیئے! ہم اِس مکالمے میں دی گئیں اسلامی تعلیمات کو دل کے کانوں سے سن کر، اپنی عملی زندگی میں جگہ دیں، اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھیں کہ جرائم کی روک تھام کے لیے بین الاقوامی قوانین میں، اسلامی قوانین کس قدر ممتاز، اور قیامِ امن وامان کے ضامن ہیں۔

مقدمہ (۱)

مقتول کا باپ: (سر پیٹتے ہوئے، حواس باختہ عالم میں ہاتھ میں ایک تصویر لیے، پی ایس آئی کے آفس میں داخل ہوتا ہے):

جناب پی ایس آئی صاحب! میرے اکلوتے، لاڈلے، ہم میاں بیوی کے بڑھاپے کے سہارے بیٹے کو، میرے دشمن نے بڑی بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا، اُس کا سر تن سے جدا کر کے، جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، وہ چیختا چلاتا، رحم و کرم کی بھیک مانگتا رہا، لیکن اس بے رحم، سفاک اور ظالم کو اُس پر ذرا بھی رحم نہ آیا، اور قتل کے بعد مجھے بھی یہ دھمکی دی، کہ اگر تو نے میرے خلاف ایف آئی آر (F.I.R) درج کی، تو جو انجام تیرے بیٹے کا ہوا، وہی تیرا بھی ہوگا۔ پی ایس آئی صاحب! آپ اِس ظالم سے مجھے بچایئے، اور میرے بیٹے کے اِس قاتل کو شرعی سزا دلایئے۔

پی ایس آئی: آپ اطمینان رکھیں، ہم اپنے محکمے کو آپ کی مضبوط سیکوریٹی کی ہدایات دیتے ہیں، اور عن قریب اس ظالم قاتل کو آپ تختۂ دار پر لٹکتا ہوا دیکھیں گے۔

مقتول کا باپ: شکریہ صاحب!

میں آپ سے انصاف کی امید لے کر رخصت ہوتا ہوں۔ خدا حافظ!

OoOoOoOoOoO

مقدمہ (۲)

متأثرہ لڑکی کاباپ: السلام علیکم !پی ایس آئی صاحب!

پی ایس آئی : وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

کہیے جناب! کیا بات ہے؟ اتنے حیران وپریشان نظر آرہے ہو؟ کیا کوئی حادثہ پیش آگیاہے؟

لڑکی کا باپ: صاحب ! میں تو اِس دنیا میں منہ بتانے کے قابل بھی نہ رہا،گزشتہ کل ہمارے گھر والوں پر گویا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا،ایک طرف میری والدہ اور بیوی غم واندوہ کا پیکر بن کر آنسو بہارہی ہیں،تو دوسری طرف میری بہن اور چھوٹی بیٹی ڈری ڈری اور سہمی ہوئیں نظر آرہی ہیں،میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں اُس بدمعاش مَوالی سے کیسے انتقام لوں؟!

پی ایس آئی: ارے جناب! آخر آپ یہ تو بتایئے کہ ہوا کیا؟ آپ اور آپ کے گھر والے غمگین اور سہمے ہوئے کیوں ہیں؟

لڑکی کا باپ: (شرم کے مارے گردن جھکا کر بولتے ہوئے):

واقعہ یہ ہوا کہ ایک بدمعاش لڑکے نے میری بڑی بیٹی کا اِغوا کرکے، اُس کی عزت لوٹ لی،ہمیں اُس وقت پتہ چلا جب چند لوگوں نے ہمیں بتایا کہ ہم نے کچھ دیر پہلے ایک مشکوک گاڑی دیکھی،جس میں سے کسی لڑکی کی چیخ وپکار کی آواز آرہی تھی، ہم نے اُس کا پیچھا کیا،لیکن گاڑی کی رفتار تیز ہونے کے سبب وہ بدمعاش فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا۔ہم اُس کی تلاش میں نکلے،تو اپنی بڑی

بیٹی کو، شہر کے باہر، چوراہے سے قریب، ایک پُل کے پاس، نیم برہنہ حالت میں بے ہوش پڑا ہوا پایا، ہم اُسے ہسپتال لے آئے، ڈاکٹروں نے اُس کا ٹریٹمنٹ کیا، اُسے ہوش آیا، تو اُس نے پوری رُوداد سنائی۔

پی ایس آئی صاحب: آپ ہماری مدد کیجیے، پہلی فرصت میں اُس نامعلوم بدمعاش کے خلاف ایف آئی آر درج کرا دیجیے، اور جن جن لوگوں پر آپ کو شک ہے، اُن کا مکمل نام اور پتہ لکھوا دیجیے، ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ذرائع بہت جلد خاطی مجرم کی گردن تک پہنچ کر، اُسے عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنے میں کامیاب ہوں گے، اور اُسے اپنی اِس بدکاری کی نہایت عبرت ناک سزا دی جائے گی۔

لڑکی کا باپ: ٹھیک ہے صاحب!

آپ کی ہدایت کے مطابق میں ایف آئی آر درج کرا دیتا ہوں، اور مشکوک و مشتبہ افراد کے مکمل نام و پتے بھی لکھوا دیتا ہوں۔

(پیش کار رجسٹر اور قلم لے کر اس کے پاس ایف آئی آر درج کرنے کے لیے آتا ہے۔)

OoOoOoOoO

مقدمہ (۳)

مالک مکان: السلام علیکم...... پی ایس آئی صاحب!

پی ایس آئی: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ!

مالک مکان: صاحب جی! رات ہمارے گھر قیامت برپا ہوگئی۔

پی ایس آئی: وہ کیسے؟ قیامت آنے میں تو ابھی دیر ہے، اور جب وہ

آئے گی، تو پوری دنیا پر آئے گی، کسی خاص فرد یا مکان پر نہیں۔

مالک مکان: صاحب! آپ میری بات اور میرے درد کو نہیں سمجھ سکے، قیامت اِس طرح برپا ہوگئی، کہ- رات میں عشا کی نماز پڑھ کر گھر آیا، تمام گھر والے معمول کے مطابق سو چکے تھے، میں بھی جا کر سو گیا، صبح جب ہم سب لوگ نیند سے بیدار ہوئے، تو کیا دیکھا کہ تجوری والے کمرے کا دروازہ کھلا پڑا ہے، اندر گئے، تو پیروں تلے سے زمین کھسک گئی، تجوری کا لاک ٹوٹا ہوا تھا، اس میں موجود تمام کاغذات بکھرے ہوئے اور منتشر تھے، تجوری کے جس خانہ میں رقم اور زیورات رکھے تھے، اُسے کھول کر دیکھا، تو پتہ چلا کہ رقم اور زیورات غائب ہیں، ہائے اللہ! (ٹھنڈی آہ بھر کر) سب، بالکل برباد ہوگیا، اگلے مہینے لڑکی کی شادی بھی طے ہو چکی ہے، اسی کے لیے زیورات بنا کر رکھے تھے، جب سے لڑکی گھر میں پیدا ہوئی، تب سے ایک ایک پائی، محنت مزدوری کر کے اپنے پسینے کی کمائی جمع کی تھی، آج وہ پورا سرمایہ اِس بے رحم چور کی نذر ہو گیا۔ اب آپ ہی بتائیے! میں اتنی ساری رقم اور زیورات اپنی لاڈلی کی شادی کے لیے کہاں سے لاؤں؟ پی ایس آئی صاحب! آپ کو خدا کا واسطہ، آپ اِن مجرموں کو پکڑ کر، یہ رقم اور زیورات ان سے حاصل کر کے، مجھے واپس دلا دیجئے، تا کہ میں اپنی لاڈلی بیٹی کے ہاتھ پیلے کر سکوں، اور اِن ظالموں کو ان کے جرم کی سخت سزا دلوائیے۔!

پی ایس آئی: دیکھئے بھائی صاحب! آپ دِھیرج اور اطمینان رکھیں، جلد ہی مجرم گرفتار ہو کر، جیل کی سلاخوں کے پیچھے، اور رقم و زیورات آپ کے ہاتھوں

میں ہوں گے۔ بس آپ ہماری کامیابی کے لیے دعا کرتے رہیں۔

مالک مکان: جی صاحب!

ہم سب مل کر آپ کی کامیابی کے لیے دعا کریں گے۔

OoOoOoOoO

مقدمہ (۴)

بوڑھے میاں: (ایک بوڑھا شخص ہانپتے کانپتے پولیس تھانے پہنچا، اور پی ایس آئی کے پاس یہ رپورٹ درج کرا رہا ہے):

السلام علیکم...... (تھرّاتے ہوئے)...... پی ی......ایس آ آ آئی صاحب (تلفظ ایسے ہی کرنا ہے)......!

پی ایس آئی: وعلیکم السلام!

......کیا بات ہے میاں! خیریت سے تو ہیں؟ کیوں اتنا ہانپ اور کانپ رہے ہوں؟ اللہ آپ کو عمرِ نوح عطا کریں، کہیں راستے میں آپ نے عزرائیل کو تو نہیں دیکھ لیا!؟

بوڑھے میاں: پی ایس آئی صاحب! آپ بھی اچھا خاصہ مزاق کر لیتے ہیں،......ابھی میری عمر ہی کیا ہے، ابھی صرف ساٹھ، پینسٹھ سال ہی تو ہوئے ہیں،......خیر چھوڑیئے!......دراصل بات یہ ہے کہ:

دو روز پہلے دن دہاڑے ایک غنڈہ قسم کے لٹیرے نے، اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ ہم گھر والوں کا راستہ روک لیا، اور ہتھیاروں کے ذریعے ڈرا دھمکا کر، میری

بیوی اور بیٹی کے ہاتھوں سے سونے کے کنگن، کان کی بالیاں اور میرے پاس موجود، دولاکھ روپئے لوٹ لیے، اور فرار ہوتے وقت ہمیں یہ دھمکی بھی دی، کہ اگر ہم نے ان کے خلاف تھانے میں رپورٹ کی،تو خبردار! اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھوں گے۔وہ غنڈہ شکل وصورت میں ''وِیرپّن'' کے خاندان کا لگ رہا تھا۔

پی ایس آئی صاحب! میں لُٹ گیا، برباد ہوگیا، زندگی کا پورا سرمایہ چھن گیا، ......اب وہ لوگ ہماری جانوں کے درپے ہیں، خدارا آپ ہماری مدد کیجئے،...... اِس آسمان تلے خدا کے بعد،آپ کے سوا ہمارا کوئی سہارا نہیں،ہمیں سہارا دیجئے، ہمارا مال ہمیں واپس دلوایئے ،اور اِن مجرموں کیفرِ کردار تک پہنچایئے!

پی ایس آئی: میاں جی! آپ اطمینان رکھیں،قانون کے ہاتھ بہت لمبے ہوتے ہیں، مجرم چھوٹ نہیں سکتے ،ہم ضرور انہیں گرفتار کرکے،اُن کے پاس سے آپ کا مال وزر،ضبط کرکے آپ کو دلا دیں گے،اور انہیں اُن کے اِس جرم کی سزا بھی ملے گی۔ان شاءاللہ!

بوڑھے میاں: شکریہ پی ایس آئی صاحب! آپ کا بہت بہت شکریہ،ہم انتظار کریں گے،اورآپ کی کامیابی کے لیے دعا بھی۔

OoOoOoOoOoO

مقدمہ (۵)

پڑوسی :(سر پر پٹی بندھی ہوئی ہے) السلام علیکم صاحب!

پی ایس آئی :وعلیکم السلام......کہیے جناب! کیسے آنا ہوا؟اور یہ تمہارے

سر پر پٹی کیسی؟......کیا آپریشن تھیٹر سے فرار ہوکر آئے ہو؟

پڑوسی: پی ایس آئی صاحب! آپ کے پڑوس میں بھی کوئی پڑوسی ضرور رہتا ہوگا، لیکن میرے پڑوسی جیسا نہیں۔

پی ایس آئی: ہاں ہاں! ضرور، میرا بھی پڑوسی ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ جب سے دنیا وجود میں آئی، انسان نے مل جل کر رہنا سیکھا، اسے کسی نہ کسی کا پڑوسی ضرور بننا پڑا ہے، قریبی رشتہ داروں کے علاوہ انسان کا ہم سایوں اور پڑوسیوں سے مستقل رابطہ رہتا ہے، اس کی خوش گواری اور ناخوش گواری کا اثر نہ صرف زندگی کے سکھ وچین، بلکہ اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بھی پڑتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ:

''اچھا پڑوسی خدا کی رحمت ہوتا ہے، اور بُرا پڑوسی خدا کا عذاب''

پڑوسی: پی ایس آئی صاحب! بس، میرا پڑوسی بھی خدا کا عذاب ہے، جب سے میرے بازو میں رہنے کے لیے آیا، آ--آج تک سیدھے منہ بات نہیں کی، ہروقت شراب کے نشے میں مست رہتا ہے، فحش بکواس اور گالی گلوچ کرتا رہتا ہے، صبح اٹھتا ہوں تو گالیوں کی منحوس بوچھار کانوں میں پڑتی ہے، شام میں آفس سے گھر آتا ہوں، تو بھی وہی حال، رات کو سونے کا وقت ہوتا ہے، تو زور زور سے گانے بجانے لگتا ہے، اگر کبھی سمجھانے کے لیے جاؤ، تو باؤلے کی طرح پتھر اُٹھا کر بھِنّانے لگتا ہے، آپ میرے سر پر جو پٹی بندھی دیکھ رہے ہیں، یہ اُسی زحمتی پڑوسی کی کرم فرمائی ہے، آج صبح نیند سے اٹھتے ہی ماں بہن کی گالیاں دینے لگ گیا، جب اسے سمجھانے کے لیے گیا، تو سننا اور سمجھنا تو درکنار، پتھر اُٹھا کر مار دیا۔

پی ایس آئی صاحب! اب تو میں اس شرابی پڑوسی سے تنگ آچکا ہوں، اس کی وجہ سے محلے کے دوسرے نوجوان بھی شراب کے عادی بنتے جارہے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ پورا محلّہ ہی اس کی زد میں آجائے، اور معاشرے کا چین وسکون غارت وبرباد ہوجائے، اس لیے آپ فوراً کارروائی کریں، اور اِس بنتِ انگور کے شیدائی کو، جلد از جلد سزا دلوائیں۔

پی ایس آئی صاحب: ٹھیک ہے، تم نے ایف آئی آر درج کرادیا، اب ہم آج ہی اپنی تفتیشی ٹیم کو، آپ کے محلے روانہ کردیں گے، اللہ سے قوی امید ہے کہ وہ آپ کے اِس شرابی پڑوسی اور دیگر تمام شرابیوں کے خلاف فردِ جرم عائد کرکے، انہیں ۱۳/ شعبان کی صبح تک عدالتِ عالیہ میں پیش کردیں گے، اور ان پر شرعی حد جاری کردی جائے گی۔

پڑوسی: شکریہ صاحب! آپ قانون کے رکھوالے، اور معاشرے میں امن وامان کے ضامن ہیں، مجھے قانون سے انصاف کی پوری توقع ہے۔

OoOoOoOoO

مقدمہ (۶)

رشوت دھندہ ٹھیکیدار: پی ایس آئی صاحب!

میں ایک ٹھیکیدار ہوں، سرکاری کاموں کے ٹھیکے لیتا ہوں، ابھی کچھ روز پہلے میں نے گورنمنٹ کے PWD کھاتے (یعنی تعمیراتِ عامہ) کا ایک کام لیا، جس میں مجھے دو پُل تعمیر کرنا ہے، میں نے پوری امانت ودیانت کے ساتھ کام شروع

کر دیا، کام الحمدللہ! مضبوط اور مستحکم ہے، جس میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ کہیں کوئی تکنیکی خرابی باقی نہ رہے، جس کی وجہ سے لوگ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں، لیکن کام سے متعلق آفیسران، بجائے اِس کے کہ میری حوصلہ افزائی کریں، میری امانت ودیانت کی تعریف کریں، میرے پیچھے ہاتھ دھوکر پڑے ہوئے ہیں، کہ اگر تم نے ٹھیکے کی پوری رقم میں سے 25 فی صد ہمیں نہیں دی، تو ہم تمہارے اس کام پر سائن آؤٹ نہیں کریں گے، بلکہ اتنی خامیاں اور کمزوریاں نکالیں گے، کہ کم ازکم تمہاری موجودہ نسل تو اِس کا بل پاس نہیں کرا سکے گی، لہٰذا طرفین کے لیے خیر اِسی میں ہے کہ مطلوبہ رقم ادا کردو۔

پی ایس آئی صاحب! آپ کو پتہ ہے، اگر 25 لاکھ روپئے انہیں دے دیئے جائیں، تو کام کا وہ معیار باقی نہیں رہے گا، اور یہ دونوں پُل بہت جلد شکست وریخت سے دوچار ہو جائیں گے۔ اورنہیں معلوم! کتنے لوگ اپنی جان گنوا بیٹھیں گے۔ میں نے اِن آفیسروں کی شکایت ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ سے کی، تو وہاں بھی مایوس کن جواب ملا، کہ آفیسرس جتنا مانگیں خاموشی کے ساتھ اتنا دے دیا کرو، ورنہ مشکلات میں پڑ جاؤ گے، ایسا لگتا ہے گویا:

''ایک حمام میں ننگے سب ہیں''

میرے دوست نے مجھے مشورہ دیا، کہ میں آپ کے پاس پہنچ کر ان آفیسروں کے خلاف ایف آئی آر درج کرادوں، آپ کا منصف ہونا، اور ظالموں جابروں کو بہتر طریقے سے نمٹنا، آج کل بہت چرچے میں ہے، میں انصاف کی امید لے کر

آپ تک پہنچا ہوں، امید کہ آپ میری مدد فرمائیں گے۔

پی ایس آئی: ضرور، کیوں نہیں! شریفوں کی مدد، اور رشوت خوروں کی گوشمالی، ہمارا فرض ہے، ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کریں گے، اور تحقیق وتفتیش کے بعد، اِن رشوت خور مجرم آفیسروں اور بھرشٹا چاروں کو آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچا کر ہی دم لیں گے۔

رشوت دھندہ ٹھیکیدار: شکریہ صاحب! مجھے آپ سے یہی امید تھی۔

OoOoOoOoOoO

عدالتِ عالیہ میں مقدمات کی سُنوائی

پیش کار: محترم حاضرین! محکمۂ پولیس نے تمام ملزمین کو گرفتار کرنے میں کامیابی حاصل کی، اور آج مؤرخہ ۱۳ر شعبان ۱۴۳۴ھ کو انہیں عدالتِ عالیہ میں پیش کیا جارہا ہے، اب دیکھئے، اِن مجرموں کے خلاف عدالتِ عالیہ کیا فیصلہ سناتی ہے، اور معاشرے پر اُس کے کیا دُور رَس نتائج مرتب ہوتے ہیں؟!

مقدمہ نمبر ﴿۱﴾

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر ایک کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

(وکیل دفاع ملزم نمبر ایک کے ساتھ، اور وکیل استغاثہ لڑکی کے باپ کے ساتھ کمرۂ عدالت میں حاضر ہوتے ہیں۔)

جج: (وکیل دفاع کی طرف مخاطب ہوکر):

آپ کے مؤکل پر اِغوا اور زنا کا مقدمہ دائر ہے، کیا آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: جی محترم جج صاحب!

میرے مؤکل کو اپنے اِن دونوں جرموں کا اعتراف ہے، مگر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ انہیں اس بار معاف کردیں، آئندہ وہ اِس طرح کی حرکت نہیں کریں گے۔

جج: شرعی قوانین وہ ہیں، جنہیں خوداللہ رب العزت نے اپنے بندوں کے لیے منتخب کیا، انہی میں ''حدود'' بھی داخل ہیں، اور ''حدود'' کے سلسلے میں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ثبوتِ جرم کے بعد، اُس پر مرتب ہونے والی سزا کو عدالت معاف نہیں کرسکتی، کیوں کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ، وَلا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ . ''زنا کار عورت اور زنا کار مرد سو (دونوں کا حکم یہ ہے کہ) ان میں سے ہر ایک کے سو سو دُرّے مارو، اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ کے معاملہ میں ذرا رحم نہ آنے پائے، اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو، اور چاہیے کہ دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہے۔'' (سورۂ نور، آیت:۲)

آپ کا مؤکل چوں کہ محصن ؛یعنی شادی شدہ ہے،لہٰذا عدالتِ عالیہ اُسے مقاصدِ شریعت کی دفعہ ۳/ ''حفاظتِ نسل'' کے تحت سنگ سار کیے جانے کا حکم دیتی ہے،اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسی کو یہ حکم دیتی ہے، کہ تین دن کے اندر اندر مجرم کو سنگ سار کیے جانے کے انتظامات مکمل کر کے، اِس عدالتی حکم کو نافذ کریں۔ (۱)

OoOoOoOoO

مقدمہ نمبر ﴿۲﴾

پیش کار (آواز لگا تا ہے):

مقدمہ نمبر/۲ کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

آپ کے مؤکل پر مرڈر؛ یعنی قتل کا مقدمہ دائر ہے، کیا آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: جی محترم جج صاحب! میرے مؤکل کو اپنے جرم کا اعتراف ہے، مگر انجام سے بے خبر ہوکر، اُس نے قتل کا اِقدام کیا ہے، یہ اُس کا پہلا قتل ہے، اور مجرم کی پہلی غلطی معاف ہوتی ہے، جیسے کسی غیر محرم پر اچانک نظر پڑ جائے، تو وہ معاف ہوتی ہے، لہٰذا آپ بھی میرے مؤکل کی اِس پہلی غلطی کو معاف کر دیں۔

جج: وکیل صاحب! قاتل کو موت کی سزا دینا، یہ حقِ شرع ہے، اور بندہ حقِ شرع کو معاف نہیں کرسکتا، لہٰذا عدالتِ عالیہ اِس مجرم قاتل کو، اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰى اَلْحُرُّ

بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنْثٰى بِالْأُنْثٰى﴾ . ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ . (سورة البقرة: ۱۷۸، ۱۷۹)

اورمقاصدِ شریعت کی دفعہ/۲ ’’حفاظتِ نفس‘‘ کے تحت، موت کی سزا سناتی ہے۔

OoOoOoOoO

مقدمہ نمبر﴿۳﴾

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر/۳ کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

آپ کے مؤکل کے خلاف چوری کا مقدمہ درج ہے، کیا آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: ہاں جج محترم! میرا مؤکل مالی پریشانیوں میں گھرا ہوا تھا، اپنی بیوی بچوں کے اخراجات اس کے ذمہ بڑھ گئے تھے، اور آج کل مہنگائی بھی تو آسمان سے باتیں کررہی ہے، کیا آلو، ٹماٹر، بیگن، ......اور کیا دال، بھات، اور ساگ پات،...... غرض تمام اشیائے خورد ونوش تقریباً ایک دام میں فروخت ہورہی ہیں۔ اور میرے مؤکل نے یہ پہلی بار چوری کی، وہ بھی مجبوری کی حالت میں، جب کہ قانون مجبوری میں ممنوع کام کو بھی جائز کہتا ہے، لہٰذا میں آں جناب سے درخواست کرتا ہوں کہ اُس پر حد شرعی قائم نہ کی جائے۔

وکیل استغاثہ: محترم جج صاحب! وکیلِ دفاع، عدالت کو گمراہ کرنے

کی کوشش کرر ہا ہے، اُس کے مؤکل کی یہ چوری پہلی بار نہیں، بلکہ اِس سے پہلے بھی اُس کے خلاف چوری کے مقدمات ، مقامی تھانوں میں درج ہیں ، یہ الگ بات ہے کہ مجرم آج تک قانون کی گرفت سے بچتا رہا، اگر آپ کو یقین نہ ہو، تو آپ متعلقہ تھانوں سے انکوائری کرواسکتے ہیں۔نیز وکیلِ دفاع کا یہ کہنا کہ ''اُس نے یہ چوری مجبوری میں کی ، اور مجبوری میں ممنوع کام جائز ہوتا ہے'' - دونوں باتیں سراسر غلط ہیں، اس لیے کہ مؤکل اپنی چوری میں مجبور نہیں، بلکہ عادی مجرم ہے۔......نیز وکیلِ دفاع کی یہ بات کہ مجبوری میں ممنوع کام جائز ہوتا ہے،...... تو میں انہیں مشورہ دوں گا کہ یہ دوبارہ قانون کی تعلیم حاصل کریں، کیوں کہ قانون کی دفعہ '' اَلضَّـرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ''ضرورتیں ممنوعات کوجائز کردیتی ہیں۔ اِس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ- مجبور شخص کو دوسرے کی جان و مال کے ساتھ کھلواڑ کرنے کی اجازت ہے۔ نیز جب کوئی کام ضرورتاً جائز ہوتا ہے،تو بقدرِ ضرورت ہی جائز ہوتا ہے، حالانکہ ملزم نے مالکِ مکان کے تمام زیورات اور نقد رقم پر ہاتھ صاف کیا، لہٰذا عدالتِ عالیہ سے درخواست ہے، کہ وہ ملزم کو اس کے جرم کی کراری سزا دے۔

جج (وکیل دفاع کی رحم کی اپیل کو مسترد کرتے ہوئے):

آپ کے مؤکل کا چور ہونا ،شرعی شہادتوں سے ثابت ہو چکا، اور چوری کا مال اُس کے نصابِ سرقہ (ساڑھے تین تولہ چاندی یا اُس کی قیمت/ ریٹ معلوم کرلیں) سے کئی گُنا زائد ہے، لہٰذا عدالت تمام حاضرین اور گواہوں کی موجودگی

میں مجرم نمبر۳ کو، خدائی فرمان: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ . (سورة المائدة: ۳۸)

اور مقاصد شریعت کی دفعہ۴ ''حفاظتِ مال'' کے تحت، اُس کے داہنے ہاتھ کے کاٹ دیئے جانے کا حکم دیتی ہے۔ (۲)

مقدمہ نمبر ﴿٤﴾

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر۴ کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

آپ کے مؤکل کے خلاف لوٹ مار کا مقدمہ درج ہے، کیا آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: محترم جج صاحب! میرے مؤکل کو اپنے جرم کا اعتراف ہے، مگر ہم اور آپ اِس حقیقت سے پوری طرح واقف ہیں، کہ ہر انسان کی کچھ ضرورتیں ہوا کرتی ہیں، مثلاً: بیوی بچوں کا خرچ، موبائل بیلنس، بیڑی، سگریٹ، گٹکھا، تمباکو وغیرہ۔ جب وہ اپنی یہ ضرورتیں پوری نہیں کر پاتا، تو مجبوراً اُسے ناجائز طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ میرے مؤکل نے اپنے جرم کا ارتکاب چوں کہ مجبوری کی حالت میں ہی کیا ہے۔ اس لیے میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے مؤکل کو باعزت بری کردیا جائے، نیز اس کی اِن ضرورتوں کی تکمیل کے لیے کوئی انتظام بھی فرمادیں!

وکیل استغاثہ: محترم جج صاحب!

وکیلِ دفاع عدالتِ عالیہ کو گمراہ کرر ہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اُن کے مؤکل نے اِس جرم کا ارتکاب مجبوری میں نہیں، بلکہ لوٹ مار کے عادی مجرم ہونے کی وجہ سے کیا ہے، نیز وکیلِ دفاع جن چیزوں کو اُس کی ضرورتیں قرار دے رہا ہے، اُن میں سے اکثر ضرورت نہیں، بلکہ عیاشی ہے، اور کسی انسان کی اِس طرح کی ضرورتیں اُسے لوٹ مار جیسے جرائم کی اجازت نہیں دیتیں، ورنہ کسی بھی فرد کا مال محفوظ وسلامت نہیں رہے گا، لہٰذا مجرم کو اُس کے اِس جرم کی کڑی سزا دے کر، لوگوں کے مالوں کو محفوظ کیا جائے۔

جج: عدالتِ عالیہ......اللہ تعالیٰ کے فرمان:

﴿إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْٓا أَوْ يُصَلَّبُوْٓا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيْهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الأَرْضِ ، ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ . (سورة المائدة :۳۳)

اور مقاصد شریعت کی دفعہ ۴/ ''حفاظتِ مال'' کے تحت، مجرم کے داہنے ہاتھ، اور بائیں پاؤں کو کاٹ دیئے جانے، نیز لوٹا ہوا مال چوں کہ اُس کے پاس موجود ہے، اِس لیے اُس کے واپس کرنے کا حکم سناتی ہے۔ (۳)

OoOoOoOoOoO

مقدمہ نمبر ﴿۵﴾

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر/۵ کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

جج (وکیلِ دفاع سے مخاطب ہوکر):

آپ کے موکل کے خلاف شراب نوشی، اور پڑوسی کو دِق کرنے کا مقدمہ درج ہے، کیا آپ اپنے موکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: محترم جج صاحب! میرے موکل کو شراب نوشی کا اعتراف ہے، لیکن ذرا آپ یہ تو بتایئے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہو، اور شراب کا استعمال اس کے لیے وقتی یا مستقل طور پر شفا ہو، تو کیا مریض کے لیے شراب کا استعمال لازم نہیں؟ کیوں کہ اگر وہ شراب نہیں پیتا اور مرجاتا ہے، تو گویا اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا، اور یہ بات فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَلا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ﴾ کے تحت گناہ ہے۔ لہٰذا میرے موکل کا شراب پینا جرم کے دائرے سے خارج ہے۔

رہی بات پڑوسی کو دِق کرنے کی! تو وہ نشے کی حالت میں تھا، نشے کی حالت میں انسان کی عقل زائل ہوجاتی ہے، اور جس انسان کی عقل زائل ہو، وہ مجنون کہلاتا ہے، اور مجنون مرفوع القلم ہوتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

” رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاثٍ : عَنِ الْمَجْنُوْنِ الْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهِ ، وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ ، وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَحْتَلِمَ “ . (مستدرک حاکم)

اس لیے میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں، کہ میرے مؤکل کو باعزت بری کیا جائے۔

وکیل استغاثہ: محترم جج صاحب!

وکیلِ دفاع کا یہ کہنا، کہ اُس کا مؤکل بطورِ علاج کے شراب نوشی کرتا ہے، بالکل غلط ہے، بلکہ پورا محلّہ اس پر شاہد ہے کہ شراب نوشی کی عادت سے پہلے مؤکل توانا وصحت مند تھا، شراب کی لت اور عادت نے اُسے بیمار بنادیا، لہٰذا اُسے شراب نوشی اور پڑوسی کو دِق کرنے کی سخت ترین سزادی جائے۔

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

تمام ثبوتوں اورشواہد سے یہ بات ثابت ہوچکی، کہ آپ کا مؤکل شراب کا عادی ہے، لہٰذا عدالتِ عالیہ، فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾.

(سورة المائدة: ۹۰، ۹۱)

......اور مقاصد شریعت کی دفعہ/۵ ”حفاظتِ عقل“ کے تحت، اَسّی (۸۰) کوڑے لگانے کا حکم سناتی ہے۔

OoOoOoOoO

مقدمہ نمبر (٦)

پیش کار (آواز لگاتا ہے):

مقدمہ نمبر/٦ کے فریقین کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں......!!

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

آپ کے مؤکل کے خلاف رشوت خوری کا مقدمہ درج ہے، کیا آپ اپنے مؤکل کی طرف سے کوئی صفائی پیش کرنا چاہیں گے؟

وکیل دفاع: جی ہاں محترم جج صاحب!

میرے مؤکل کو گرچہ اپنی رشوت خوری کا اقرار ہے، مگر میں اُس کے احوال سے اچھی طرح واقف ہوں، اُس پر اپنے آٹھ بچوں، بوڑھے ماں باپ اور دو بیوہ بہنوں کے خرچ کی ذمہ داری ہے، مکان کرایہ کا ہے، مزید برآں تمام چیزوں کے دام بڑھ چکے ہیں، اُس کی متعینہ تن خواہ میں یہ تمام اخراجات پورے نہیں ہوتے، اس لیے اُس کی رشوت خوری کا اِقدام قانون کے مزاج ومذاق کے مطابق جرم نہیں ہونا چاہیے، میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں کہ میرے مؤکل کے اِس جرم پر، قلمِ عفو پھیر دیا جائے، نیز اُس کی تن خواہ میں اضافے کا آرڈر کیا جائے۔

وکیل استغاثہ: (جج سے مخاطب ہوکر) محترم جج صاحب!

وکیلِ دفاع کی تمام باتیں غلط اور بے بنیاد ہیں، اُس کے مؤکل کے آٹھ نہیں، صرف دو بچے ہیں، ماں باپ تو کب کے سفرِ آخرت پر روانہ ہو چکے، اور دو بہنیں؛ تو وہ بیوہ نہیں، بلکہ اپنے اپنے شوہروں کے گھر خوش حال زندگی گزار رہی ہیں، اسی

طرح مکان کرایہ کانہیں ، بلکہ خود اُس کی ملکیت کا ایک شان دار بنگلہ ہے،جس کی مالیت تقریباً دوکروڑ روپئے ہیں۔

(یہ ہیں وہ تمام کاغذات ......جج کو کاغذات سونپتے ہوئے......جن میں ملزم کے متعلق پوری تفصیل موجود ہے۔)

محترم جج صاحب !(جذبات میں آ کرٹھیکیدار کی طرف اشارہ کر کے):

نہ جانے اِن جیسے کتنے ، بھولے بھالے ، ایمان دار ٹھیکیداروں سے ، اِس آفیسر نے ظلماً وجبراً رشوت وصول کی ہوگی ، اس کے باوجود ، وکیلِ دفاع قانون کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ، اپنے مؤکل کوسزا سے بچانا چاہتا ہے ، ان کا مؤکل چوں کہ اپنے جرم کا اقرار کر چکا ہے ، لہٰذا عدالتِ عالیہ کو چاہیے کہ مجرم کو جلد از جلد رشوت خوری کے معاملے میں سزا دے۔

جج (وکیل دفاع سے مخاطب ہوکر):

تمام ثبوتوں کی روشنی میں ، اور وکیلِ استغاثہ کے بیان سے ، یہ بات ثابت ہو چکی کہ آپ کا مؤکل ، رشوت خوری/کرپشن کا مجرم ہے ، لہٰذا عدالتِ عالیہ ، فرمانِ سرکار ﷺ: " اَلرَّاشِي وَالْمُرْتَشِي كِلاهُمَا فِي النَّارِ " . (المعجم الأوسط)

اور مقاصد شریعت کی دفعہ/۴ "حفاظتِ مال" کے تحت ، مجرم کو اُس کی ملازمت سے برطرف کرنے ، اور جن جن افراد سے رشوت کی رقم لی ، وہ اُنہیں لوٹانے کا حکم سناتی ہے۔ (عدالت برخاست ہوتی ہے!)

OoOoOoOoOoO

اپیل اور عہد

محترم حاضرین!

عدالت میں پیش ہونے والے مقدمات اور فیصلوں کو آپ نے بغور سنا، جس سے آپ کو یہ اندازہ ہوا ہوگا کہ آج ہمارا معاشرہ کس طرح کے جرائم کا شکار ہو چلا ہے، عدالتیں اپنا کام کر رہی ہیں، مقدمات فیصل ہو رہے ہیں، مجرمین کو سزائیں دی جا رہی ہیں، مگر اِس کے باوجود ہم دیکھ رہے ہیں کہ جرائم کا یہ سلسلہ ختم ہونے کے بجائے دن بدن بڑھتا ہی جا رہا ہے، اور آئے دن عصمت ریزی، قتل وغارت گری، لوٹ مار وچوری اور رشوت خوری کے واقعات اخبارات کی شہ سرخیاں بن رہے ہیں، جو اِس بات کے غماز ہیں کہ جرائم کی روک تھام کے لیے، جس قدر صحیح کوششیں کرنی چاہیے، وہ نہیں ہو رہی ہیں، حکومتیں اور قانون ساز ادارے ایسے قوانین وضع کر رہے ہیں، جن میں تضادات ہیں، مثلاً:

ایک جانب یہ قانون بنایا جا رہا ہے کہ جبراً زنا اور عصمت دری کے مجرم کو موت کی سزا دی جائے، تو دوسری طرف ۱۸ر برس کے بعد، ۲۲ر برس تک رضامندی کے ساتھ اِس جرم کو ترقی کی علامت کہا جا رہا ہے، جب کہ جرم، جرم ہوتا ہے، خواہ جبراً ہو یا رضامندی سے، اور وہ ترقی کی نہیں، بلکہ تباہی وبربادی کی علامت ہوتا ہے۔

ایک طرف عورت کا پیچھا کرنے، اُس سے میل جول بڑھانے، اُسے غلط ایس ایم ایس کرنے کو جرم کہا جا رہا ہے، تو دوسری طرف آزادیٔ نسواں کے نام پر مرد

وعورت کے اختلاط، مخلوط تعلیم، مخلوط نوکریوں، عریانی فلموں، جذبات کو بھڑ کانے والی تحریروں اوراشتہارات کی کھلی چھوٹ دی جارہی ہے۔

ایک جانب رشوت لینے کومنع کیا جارہا ہے، تو دوسری طرف بغیر مطالبے کے لی جانے والی رقم کو، رشوت کے زُمرے سے خارج کیا جارہا ہے۔

ایک جانب شراب پی کر ڈرائیونگ کرنے، یا بحالتِ نشہ اپنی ڈیوٹی کے فرائض انجام دینے کومنع کیا جارہا ہے، تو دوسری جانب حکومتی لائسنس کے ساتھ شراب فروشی کی عام اجازت دی جارہی ہے۔

ایک طرف کسی کی توہین وہتکِ عزت کو جرم کہا گیا، تو دوسری طرف حقِ آزادیٔ رائے کے سہارے اِسے پامال کرنے کی پوری گنجائش دی گئی۔

ایک طرف قتل وخون ریزی اور مذہب کی بنیاد پر اشتعال انگیزی کو جرم کہا گیا، تو دوسری طرف عملاً شرپسند عناصر کو نہ صرف اِس کی کھلی اجازت دی گئی، بلکہ سیاسی پارٹیاں اُن کی مکمل پشت پناہی کررہی ہیں، اور انہیں اپنا پارٹی امیدوار بنا کر انتخابات میں اُتار رہی ہیں، اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے ۲۲/دسمبر ۲۰۱۲ء کے اُردو روزنامہ ’’انقلاب‘‘ کی یہ خبر کافی ہے کہ:

’’۳۶۹/ممبران پارلیمنٹ اوراسمبلی پرخواتین کے خلاف جرائم کاالزام ہے‘‘

ایک طرف قوم کے نونہالوں کو اچھے اخلاق وکردار کی تلقین کی جارہی ہے، تو دوسری طرف اسکولی نصابوں میں جنسی مضامین کو شامل کرکے، اُن کو غلط راہوں کی طرف ڈھکیلا جارہا ہے، اور پھر اُن سے یہ توقع کی جارہی ہے کہ وہ مہذب، با

اخلاق اور اچھے کردار والے انسان بنیں!

"ایں خیال است ومحال است وجنوں!"

محترم حاضرین!

یہ سب تضادات ہیں، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان جیسا امن وآشتی، اخوت وبھائی چارگی میں مثالی ملک، دن بدن خطرناک بدامنی واَنارکی کی طرف بڑھ رہا ہے، اور اس سے بے چین ہو کر حقیقت پسند طبیعتیں یہ پکار اُٹھ رہی ہیں کہ اگر اس دھرتی کو جرائم سے پاک کر کے، امن وامان کو بحال کرنا ہے، تو اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں، اور سزاؤں کے ساتھ ساتھ اُن کے ذرائع پر بھی پابندی لگائی جائے، جیسا کہ ۲۲/دسمبر ۲۰۱۲ء کا اُردو روزنامہ "انقلاب" کی یہ تحریر اس کا بیِّن ثبوت ہے کہ:...... "دہلی گینگ ریپ کا معاملہ سامنے آنے کے بعد "اَکھِل بھارتیہ ہندو مہا سبھا" کے سینئر نائب صدر، اور "وِشو ہندو سینا" کے صدر "سوامی اوم جی" نے کہا کہ زانیوں کو سزا دینے کے لیے شرعی قانون لاگو کیا جانا چاہیے، انہوں نے مزید کہا کہ جیسے اسلامی قانون میں زانی کو سزا دی جاتی ہے، ویسے ہی ہندوستان میں بھی لاگو کیا جائے۔"

خلاصۂ کلام یہ کہ:

اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ جرائم کا انسداد اور روک تھام ہو......تو:

◉ حکومت کو اِن تضادات کو ختم کرنے کے ساتھ، جرائم کے ذرائع پر بھی پابندی لگانی ہوگی۔

◉ قانونی اداروں کو پوری دیانت وایمان داری کے ساتھ ،جرائم پیشہ افراد کی حوصلہ افزائی نہ کرتے ہوئے ،انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیلنا ہوگا۔

◉ تعلیمی نصابوں میں اخلاقی قدروں پر مشتمل مضامین کو داخل کرنا ہوگا۔

◉ ہر سماج کے والدین اور سرپرستوں کو ،اپنی اولاد کو صحیح تربیت دے کر ،اُن پر کڑی نگاہ رکھنی ہوگی۔

◉ اخلاق وروایات پر عمل کرنے والے افراد کی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی ،اور ”قدامت پسند ،کٹّر وادی ،کٹّر پنتھی“ جیسے الفاظ کہہ کر ،اُن کی حوصلہ شکنی سے باز رہنا ہوگا۔

اگر اِن تمام باتوں کو بروئے کار لایا گیا ،تو اُمید ہے کہ جرائم کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب تھم جائے ،اور ہماری یہ دھرتی جرم وفساد سے پاک ہوکر ،امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

تو آئیے ......!

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم کے ،اِس ۲۵ رویں عظیم الشان سالانہ اجلاس میں شریک -اسٹیج پر جلوہ افروز ،اس کے روحِ رواں ،میرِ کارواں حضرت وستانوی دامت برکاتہم ،دیگر بزرگانِ دین اور وارثینِ انبیاء کے سامنے یہ **عہـــد** کریں......کہ ہم:

◉ ہندوستان کی اِس سرزمین پر ایسا معاشرہ قائم کریں گے ،جو شراب ،زنا ، چوری ،غیبت ،لوٹ کھسوٹ ،رشوت ،سود اور جوا جیسے جرائم سے پاک ہو ،اور اس

میں ہر فرد کی آبرو وعزت، جان ومال محفوظ ہو۔

- اپنے بچوں کو دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ کریں گے۔
- خدائی احکامات کے مطابق اپنی زندگی گزاریں گے۔
- خود اس پر عمل پیرا ہوں گے، اور دوسروں کو عمل کی تلقین کریں گے۔
- آپ کی ﷺ محبت کو اپنے دلوں میں، اور آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنی زندگی میں جگہ دیں گے۔
- دوسروں کے حقوق ادا کریں گے۔
- ناحق کسی کا مال نہیں کھائیں گے۔
- لڑکیوں کو وراثت میں اُن کا شرعی حق دیں گے۔
- مدارس، مکاتب اور خانقاہوں کو مضبوط ومستحکم کریں گے۔
- دعوت وتبلیغ سے اپنا رشتہ مضبوط بنائیں گے۔
- مسجدوں کو آباد کریں گے۔
- اپنے خدا سے اپنے رشتہ کو استوار کریں گے۔
- اپنے آپ کو شرک وبدعت سے بچا کر دوسروں کو بچانے کی فکر کریں گے۔
- مرتے دم تک، اپنی ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے اس عہد پر قائم رکھ!

ہم سے راضی ہو جا، اور مرنے کے بعد اپنی رضامندی کا پروانہ ہمیں عطا فرما!!

آمین یارب العالمین!

رباعی

پردہ غفلت کا اِن آنکھوں سے اُٹھادے یارب!
اپنے بندوں کو راہِ راست دکھادے یارب!!!!!
شب ہے تاریک،سمندر میں بپا ہے طوفان!!!!!
ڈوبتی ناؤ کو ساحل سے لگادے یارب!!!!!!!!!

....

....

الحجة على ما قلنا :

(۱) ما في " الهداية " : (الزنا يثبت بالبيّنة والإقرار) ..... لأن البينة دليلٌ ظاهرٌ ، وكذا الإقرار ، لأن الصدق فيه مرجح لا سيما فيما يتعلق بثبوته مضرة ومعرة ، والوصول إلى العلم القطعي متعذّر فيكتفي بالظاهر . قال : (فالبينة أن تشهد أربعة من الشهود على رجل أو امرأة بالزنا) لقوله تعالى : ﴿فاستشهدوا عليهنّ اربعة منكم﴾ . وقال الله تعالى : ﴿ثم لم يأتوا بأربعة شهداء﴾ . وقال عليه الصلاة والسلام للذي قذف امرأته : "ائت بأربعة يشهدون على صدق مقالتک" . ولأن في اشتراط الأربعة يتحقق معنى السّتر وهو مندوب إليه .

(۲/ ۳۸۱ ، كتاب الحدود ، ط: دار الأرقم بيروت)

ما في " الهداية " : (وإذا وجب الحدّ وكان الزاني محصنًا رجَمه بالحجارة حتى يموتَ) لأنه عليه الصلاة والسلام رجم ماعزًا وقد أحصنَ . وقال في الحديث المعروف : " وزنا بعد إحصان " . وعلى هذا إجماع الصحابة رضي الله تعالى عنهم .

(۲/۳۸۳ ، فصل في كيفية الحدّ وإقامته)

(۲) ما في " الهداية " : السرقة في اللغة : أخذ الشيء من الغير على سبيل الخفية والاستسرار ، ومنه استراق السمع . قال الله تعالى : ﴿إلا من استرق السمع﴾ . وقد زيدت عليه أوصاف في الشريعة ..... والمعنى اللغوي مراعَى فيها ابتداءً وانتهاءً أو ابتداءً لا غيرُ ؛ كما إذا نقب الجدار على الاستسرار وأخذ المال من المالک مكابرة على الجهار . وفي الكبرى أعني قطع الطريق مسارقة عين الإمام ؛ لأنه هو المصتدي لحفظ الطريق بأعوانه ، وفي الصغرى مسارقة عين المالک أو من يقوم مقامه .

قال : (إذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم أو ما يبلغ قيمته عشرة دراهم مضروبةٍ من حرزٍ لا شبهة فيه وجب عليه القطع) والأصل فيه قوله تعالى: ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا أيديهما﴾ الآية .

وفيه : (ويجب القطع بإقراره مرة واحدةً ، وهذا عند أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله ، وقال أبو يوسف رحمه الله : لا يقطع إلا بالإقرار مرتين) .=

....

....

....

....

....

....

....

....

....

=وفيه أيضًا : قال : (ويجب بشهادة شاهدين) لتحقق الظهور كما في سائر الحقوق .
(۲/۴۰۷ ، ۴۰۸ ، كتاب السرقة)

ما في " الهداية " : قال : (ويقطع يمينُ السارق من الزند ويحسم) فالقطع لما تلوناه من قبل ، واليمين بقراءة عبد الله بن مسعود رضي الله عنه ، ومن الزند؛ لأن الإسم يتناول اليد إلى الإبط ، وهذا المفصل أعني الرسغ متيقن به ، كيف وقد صح أن النبي عليه الصلاة والسلام أمر بقطع يد السارق من الزند، والحسم لقوله عليه الصلاة والسلام :– "فاقطعوا واحسمُوه" ؛ ولأنه لو لم يحسم يفضي إلى التلف ، والحدّ زاجر لا متلف . (۲/۴۱۵ ، ۴۱۶)

(۳) ما في " الهداية " : ومن قطع الطريق ليلا أو نهارًا في المصر أو بين الكوفة والحيرة فليس بقاطع الطريقَ) استحسانًا، وفي القياس يكون قاطع الطريق ، وهو قول الشافعي رحمه الله لوجوده حقيقة . وعن أبي يوسف رحمه الله : أنه يجب الحد إذا كان خارج المصر وإن كان بقربه ، لأنه لا يلحقه الغوث . وعنه : إن قاتلوا نهارًا بالسلاح أو ليلا به أو بالخشب فهم قطاع الطريق ، لأن السلاح لا يلبث والغوث يبطئ بالليالي ، ونحن نقول : إن قطع الطريق بقطع المارة ، ولا يتحقق ذلک في المصر وبقرب منه ، لأن الظاهر لحوق الغوث ، لأنهم يؤخذون برد المال إيصالا للحق إلى المستحق ويؤدبون ويحبسون لارتكابهم الجناية .
(هدايه : ۲/۴۲۳ ، دار الأرقم بيروت)

OoOoOoOoO

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ﴾ ۔ (القرآن)

مجموع الضروريات خمسة :

////

- حفظ الدين ،
- حفظ النفس ،
- حفظ النسل ،
- حفظ المال ،
- حفظ العقل ،

(الموافقات للشاطبي)

(۹)مکالمہ بابت:

سماج ومعاشرے میں پنپتے جرائم

اوراُن کا انسداد

(قسط ثانی)

کردار:

(۱)ترجمان:(واجد)

(۲)جہیز کامطالب شوہر:(ڈاکٹرشاہد)

(۳)اشیائے خوردونوش میں ملاوٹ کرنے والاتاجر:(شیخ وحید)

(۴)اِغواوعصمت دری کامرتکب:(شیخ ضمیر)

(۵)پیش کار:(زاہد)

(٦)وکیل استغاثہ اول:(حامدمیاں)

(۷)وکیل استغاثہ دوم:(عاطف میاں)

(۸)وکیل دفاع:(ساجدمیاں)

(۹)وکیل دفاع:(واصف میاں)

(۱۰)چیف جسٹس:(قاضی مجاہدالاسلام صاحب)

مقدمات

مقدمہ (۱)

لڑکی کا باپ جہیز کے مطالب شوہر کے خلاف!

مقدمہ (۲)

محکمۂ خوراک ورسد کے آفیسران خائن تاجر کے خلاف!

مقدمہ (۳)

مغویہ کا باپ مغوی کے خلاف!

تمہید

ترجمان: آج جس معاشرے وسماج میں ہم زندگی گزار رہے ہیں، وہ مختلف، سنگین، خطرناک بیماریوں کا شکار ہوچکا ہے، ظلم وبربریت، سود خوری، رشوت ستانی، قتل، ڈاکہ زنی، لوٹ کھسوٹ، شراب نوشی، اِغوا، عصمت دری اور فحاشی وعریانی نے، ہمارے پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے، حکومتیں ان سے نجات پانے کے لیے قانون سازی بھی کررہی ہیں، مگر خاطرخواہ اس کے نتائج برآمد نہیں ہورہے ہیں، جس کی دو اہم وجہیں ہوسکتی ہیں:

(۱) انسانی دلوں سے خوفِ خدا، اور آخرت میں جواب دہی کے احساس کا نکل جانا۔

(۲) عدالتوں پر، مال وزر، اثرورُسوخ اور اصحابِ اقتدار واختیار کا اثر انداز ہونا۔

جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرے کی بنیاد، جن اہم ستونوں پر اُستوار فرمائی تھی، ان میں دو اہم ستون یہی تھے:

(۱) انسانی دلوں میں خدا کا خوف پیدا کرنا، اور ہر شخص میں اس احساس کو پیوست کرنا، کہ اسے مرنے کے بعد اپنے ہر قول وفعل کا حساب دینا ہے۔

(۲) عدالتیں کسی کے زیرِ اثر ہوکر فیصلہ نہیں کریں گی، بلکہ اُصولوں کے مطابق وہ اپنے فیصلوں میں آزاد ومختار ہوں گی، تاکہ اس کے فیصلے عدل وانصاف کی زرّیں مثالیں ثابت ہوں، اور اگر انہوں نے متعینہ اصولوں کے خلاف فیصلہ کیا، تو ان کے فیصلے نافذ نہیں ہوں گے، بلکہ وہ خود مجرموں کے زُمرے میں داخل ہوجائیں گے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت اِس پر شاہدِ

عدل ہے، وہ فرماتی ہیں کہ:

”قریش کو ایک مخزومی عورت کا بہت خیال تھا، جس نے چوری کی تھی، لوگوں نے کہا کہ کون رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کرے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے، حضرت اُسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا اور کون اس کی جرأت کرسکتا ہے؟ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے گفتگو کی، آپ ﷺ نے فرمایا: تم اللہ کی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا، فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے کئی قومیں ہلاک ہوگئیں، اس لیے کہ جب ان میں کا شریف چوری کرتا، تو وہ لوگ اسے چھوڑ دیتے، اور جب کوئی کمزور چوری کرتا، تو اس پر حد جاری کرتے، قسم ہے خدا کی- اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی، تو محمد اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔“ (صحیح بخاری،سنن نسائی)

تو آیئے! اسی اسلامی عدالت کی چند جھلکیوں کا ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیں، اور دیکھیں کہ اسلامی عدالتوں کا طریقۂ کار، اوراس کے فیصلے کس طرح ہوتے ہیں؟

اسلامی عدالت کا یہ پروگرام جامعہ کے شعبۂ افتاء کے طلبہ پیش کرنے جارہے ہیں، لہٰذا تمام ہی سامعین ومشاہدین ہمہ تن متوجہ ہوکر، اسے دیکھیں اور سنیں!

OoOoOoOoOoO

ملزم نمبر ایک......جہیز کا مطالب شوہر......ڈاکٹر شاہد؛

وکیل استغاثہ: عزت مآب جج صاحب!

میری مؤکلہ، ڈاکٹر اسماء- جو اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی ہے، اس کو اس کے والدین نے بڑے نازونعم میں پرورش کیا، دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ کیا، اپنی بچی اپنے پیروں پر کھڑی ہوجائے، اور خواتینِ اسلام کی خدمت کریں، اس جذبے کے تحت، اُسے ایم بی بی ایس MBBS ڈاکٹر اور گائناکولوجسٹ (ماہر امراضِ نسواں-Gynecologist) بنایا، تعلیم مکمل ہونے پر مناسب، موزوں رشتہ سمجھ کر، ملزم ڈاکٹر (شاہد) کے خاندانی پس منظر، معاشرے میں ان کے اثر ورسوخ، گھر کے دینی ماحول وغیرہ کو دیکھتے ہوئے، اپنی بچی اس سے منسوب کردی، مگر شادی کے بعد تین مہینے اچھی طرح گزرے، اس کے بعد ڈاکٹر شاہد نے میری مؤکلہ- ڈاکٹر اسماء- سے مطالبہ کیا کہ وہ جدید طرز کا ہسپتال کھولنے کے لیے، اپنے میکے سے دو کروڑ روپئے لاکر دیں، شادی میں بھی اسماء کے والدین نے کافی جہیز اور بھاری رقم دی تھی، اس کے باوجود سُسرالی لوگ، میکے سے دو کروڑ لاکر دینے پر مصر تھے، ڈاکٹر اسماء کے والد نے یہ مطالبہ پورا نہیں کیا، تو شوہر اور سسرالیوں نے اس پر ظلم کی انتہا کردی، روزانہ کے مظالم سے تنگ آکر، اور اپنے والد کی معاشی مجبوریوں اور پریشانیوں کو دیکھ کر، میری مؤکلہ نے خودسوزی کرلی، شدید جھُلسی ہوئی حالت میں اسے ہسپتال شریک کیا گیا، جہاں دورانِ علاج اُس کی موت واقع ہوگئی۔

ملزم؛ میری مؤکلہ کی خودسوزی کرنے، اس کے والدین کو اپنی اکلوتی لختِ جگر، ونورِنظر کے فوت ہونے کے غم واندوہ میں مبتلا کردینے، قوم وملت کو اپنی ایک نہایت ہوشیار، خدمت گزار بیٹی سے محروم کردینے کا ذمہ دار ہے، اور میرے اِس مدعا پر یہ دوحضرات شاہد ہیں۔ (شاہدین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)، لہٰذا ملزم کوسببِ قتل قرار دے کر، اس کے عاقلہ (قاتل اوراس کے ناصرین ومددگار، اس کے ہم پیشہ افراد، یا اس کے اہلِ خاندان) پر دیتِ قتلِ خطا: ایک ہزار دینار، یعنی ۴رکلو۳۷۴رگرام سونا، یا پھر دس ہزار درہم، یعنی ۳۶رکلو۲۰۰رگرام چاندی، یااس کی موجودہ قیمت واجب کی جانی چاہیے، جیسا کہ "الموسوعۃ الفقہیۃ: ۳۲/ ۳۲۶" کی عبارت: " وَذَهَبَ الْحَنَفِيَّةُ إِلَى أَنَّهُ قَتلَ بِسَبَبٍ وَمُوْجِبُهُ الدِّيَّةُ عَلَى الْعَاقِلَةِ ؛ لِأَنَّهُ سَبَبُ التَّلْفِ ، وَهُوَ مُتَعَدٍّ فِيْهِ ، وَلا كَفَّارَةَ فِيْهِ ، وَلا يَتَعَلَّقُ بِهِ حِرْمَانُ الْمِيْرَاثِ ؛ لأَنَّ الْقَتْلَ مَعْدُوْمٌ مِّنْهُ فِيْ حَقِّ غَيْرِهِ عَلَى الأَصْلِ، وَهُوَ إِنْ كَانَ يَأْثَمُ بِالْحَفْرِ فِيْ غَيْرِ مِلْكِهِ لَا يَأْثَمُ بِالْمَوْتِ" . ...سے معلوم ہوتا ہے۔

......تاکہ مقاصدِ شرعیہ کی دفعہ نمبر۲ (حفاظتِ نفس) کا تحفظ ہوسکے۔

وکیل دفاع: محترم جج صاحب!

وکیلِ استغاثہ کی تمام باتیں جھوٹ کا پلندہ اورمحض ایک پروپیگنڈہ، اور فسانہ ہیں، میرا مؤکل ان تمام الزامات کا انکار کرتا ہے، اوران کی ظاہری وضع قطع، جسم پر اسلامی لباس، چہرے پر شرعی داڑھی، پیشانی پر سجدے کا نشان، پورے محلے

والوں کا اُن کی دِین داری کے گُن گاتے رہنا، وغیرہ، سب اس کے حق میں شاہد ہیں، کہ یہ تمام باتیں اس کے خلاف محض ایک سازش ہے، جس کے تحت اسے پھنسا کر، لڑکی کے والدین اس سے کوئی بڑی رقم اینٹھنا چاہتے ہیں، اور میرے مؤکل کو ناکردہ گناہ کی سزا دلوا کر، اسے ڈِپریشن کا شکار بنانا چاہتے ہیں، تاکہ وہ اپنے میدان میں نمایاں خدمات انجام نہ دے سکے۔ اور فقہ کا مشہور اصول ہے:

"اَلْأَصْلُ أَنَّ مَنْ سَاعَدَهُ الظَّاهِرُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ". (قواعد الفقه: ص/۱۲)

(کہ ظاہر جس کے حق میں مساعد ہو اسی کا قول معتبر ہوتا ہے)

لہٰذا عدالتِ عالیہ سے گزارش ہے، کہ میرے مؤکل کو باعزت بری کر دیا جائے، اور فریقِ مخالف کو ہتکِ عزت کی سزا دی جائے، تاکہ معاشرے کے باعزت افراد کی اس طرح دوبارہ رُسوائی وذلت کی نوبت نہ آئے، اور عام لوگوں کی عزتیں بھی محفوظ ہو جائیں، کیوں کہ حفاظتِ عرض (عزت) شریعتِ اسلامیہ کے مقاصد میں سے اہم ترین مقصد ہے۔

ملزم نمبر دو ......اشیائے خورد و نوش میں ملاوٹ کرنے والا تاجر......شیخ وحید؛

وکیل استغاثہ: جناب جج صاحب!

ملزم–وحید–شہر کی ایک بڑی کرانہ دکان کا مالک، جس نے اشیائے خورد و نوش میں آمیزش و ملاوٹ کرکے، لوگوں کی صحتوں کے ساتھ کھلواڑ کیا، اور اسی ناجائز آمدنی سے اپنی دکان و مکان کے لیے فلک بوس عمارت بنایا، وہ ہر سال حج و عمرہ

بھی کرتا ہے، اور مسجد ومدرسہ کی بڑی بڑی رسیدیں بھی بنواتا ہے، سرکاری آفیسروں کی ٹیم جب چیکنگ کے لیے اس کے ہاں پہنچتی ہے، تو انہیں اتنا خوش کر کے بھیجتا ہے، کہ اُن کی یہ خوشی کم ازکم سال دو سال تک تو ختم نہیں ہوتی۔

محترم جج صاحب!......ملزم- وحید- ملاوٹ وآمیزش میں اسم بامسمی واقع ہوا ہے، یعنی اس کام میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔

ملزم؛ اشیائے خورد ونوش میں ملاوٹ کر کے، جھوٹ، دھوکہ دہی، اور انسانی صحتوں کے ساتھ کھلواڑ جیسے شرعی واخلاقی جرائم کا مرتکب ہوا ہے، لہٰذا شرعی قوانین کی دفعہ نمبر/۲ -حفاظتِ نفس- کی خلاف ورزی کے تحت، اسے کم ازکم ۳۹/کوڑے، اور ایک سال قید بامشقت کی سزا دی جائے۔ نیز اس کے تجارتی لائسنس کو بھی منسوخ کیا جائے، تاکہ آئندہ -وہ اس جرم کا سوچ بھی نہ سکے، اور دیگر اس جیسے مجرموں کو بھی سبق حاصل ہو۔

عن سفيانَ بنِ أُسيدِ الْحضرَمِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ: " كَبُرَتْ خِيَانَةً أَنْ تُحَدِّثَ أَخَاكَ حَدِيْثًا هُوَ لَكَ بِهٖ مُصَدِّقٌ وَأَنْتَ لَهُ بِهٖ كَاذِبٌ " . (سنن أبي داود :ص/٦٧٩، كتاب الأدب ، باب في المعاريض)

عن أبي هُريرةَ عَنِ النَّبيِّ ﷺ قَالَ : " آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ ؛ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ " .

(صحيح البخاري : ١/١٠)

عن أنسٍ عَنِ النبي ﷺ فِيْ الْكَبائِرِ قَالَ : " اَلشِّرْكُ بِاللّٰه ، وَعُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ ، وَقَتْلُ النَّفْسِ ، وَقَوْلُ الزُّوْرِ " . (ترمذي : ١/٢٢٩)

وکیل دفاع : محترم جج صاحب!

میرے مؤکل- وحید- کے خلاف جتنے الزامات لگائے گئے، وہ سب بے بنیاد اور غلط ہیں، وحید - انتہائی نیک صفت، صوم وصلوۃ کا پابند، انسانیت نواز، ہر سماجی ورفاہی اور دینی کام میں پیش پیش رہنے والا شخص ہے، وہ صرف اپنی قوم میں ہی نہیں، بلکہ غیروں میں بھی مقبول ومحبوب ہے، اس کی یہ ظاہری حالت، وکیلِ استغاثہ کی خلافِ ظاہر تمام باتوں کی نفی کرتی ہے، اور ظاہرِ حال چوں کہ دلیلِ شرعی ہے، لہٰذا میرے مؤکل کو باعزت بری کیا جائے، نیز اس مقدمے کو لڑنے میں آنے والے تمام مصارف کے ساتھ ساتھ، اس کی جو دل آزاری وہتکِ عزت ہوئی ہے، اس کا معاوضہ بھی محکمۂ اشیائے خورد ونوش کے آفیسروں سے دلایا جائے!

ملزم نمبر تین ......اِغوا وعصمت دری کا ملزم......شیخ ضمیر:

وکیل استغاثہ: محترم جج صاحب!

ملزم؛ شیخ ضمیر ابن وزیر نے ایسی گھناؤنی حرکت کی ہے، کہ اس نے نہ صرف انسانی ضمیروں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا، بلکہ پوری انسانیت کو شرم سار کر دیا۔

ہوا یوں کہ؛ میرے مؤکل - ڈاکٹر عبد الرحمٰن صاحب اور اُن کی بیوی اپنے ہسپتال میں انسانی خدمات، مریضوں کی تشخیص اور اُن کے دوا وعلاج میں مصروف ومشغول تھے، اور اُن کی معصوم، ننھی منی، پھول سی بچی، گھر کے آنگن میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیل رہی تھی، گھر کی خادمہ اپنے کاموں میں مگن تھی، اسی درمیان اس درندہ صفت انسان نے اس بچی کو پیار ومحبت سے اپنے پاس بلایا،

کھلونے اور کھانے کی چیزیں دلوانے کا لالچ دے کر، اُسے اپنی کار میں بٹھا کر شہر سے دور، سنسان جگہ لے جا کر، اس معصوم ونابالغ بچی کی نہ صرف عصمت دری کی، بلکہ اپنی ہوس کو پورا کرنے کے بعد، اُس کو قتل کر کے، اُس کی نعش کو قریبی تالاب میں پھینک دیا۔

جناب جج صاحب! میرے مؤکل ڈاکٹر عبد الرحمٰن کی یہ اکلوتی بیٹی تھی، جس کے مستقبل کو روشن وتابناک بنانے کے لیے، وہ اور اُن کی بیوی رات دن محنت کر رہے تھے، کہ ہم اپنی اِس بچی کو اعلیٰ دینی ودنیوی تعلیم سے آراستہ کریں گے، تاکہ بڑی ہو کر، جہاں وہ اپنے والدین کے لیے باعثِ صد افتخار ہو، وہیں مسلم قوم کا سر فخر سے اونچا کرے۔

جناب جج صاحب! ان دو گواہوں کی گواہی، اور جائے واردات کے جائزے سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ ملزم نے جہاں اس کے والدین کے سامانِ مسرت وشادمانی اور مرکزِ امید کو چھین لیا، وہیں وہ ان کے دماغی توازن کھو جانے کا سبب بھی بنا ہے، جس کی وجہ سے پوری بستی ایک دین دار، نیک صفت، انسانیت کی ہم درد؛ میاں بیوی کی طبی خدمات سے محروم ہو گئی، اور اس واقعے کو پڑھ، سن کر پوری انسانیت شرم سار ہو گئی ہے۔

ملزم......اپنی اِن گھناؤنی حرکتوں کی وجہ سے زندہ رہنے کا حق دار نہیں ہے، شرعی قانون کی دفعہ نمبر ۲/، ۳/اور ۵/–حفاظتِ نفس، حفاظتِ نسل، حفاظتِ عقل– کی خلاف ورزی –کے تحت، مجرم تختِ دار کا مستحق ہو چکا ہے، نیز انسانی عقلیں بھی

اِس کا تقاضا کرتی ہیں، کہ جو شخص ناحق کسی کے جینے کے حق کو چھین لے، اسے بھی زندہ رہنے کا حق نہیں ہے، ورنہ انسانی جانوں کا تحفظ دشوار ہوگا، جب کہ شریعت کے مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصد، انسانی جانوں کی حفاظت ہے، لہٰذا عدالتِ عالیہ سے درخواست کی جاتی ہے، کہ ملزم کا جرم ثابت ہو جانے کی وجہ سے، قصاص میں قتل کر کے اُسے کیفرِ کردار تک پہنچا دیا جائے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

۱- ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ، اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالاُنْثٰى بِالاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ، ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ، فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ O وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ O﴾ . (سورة البقرة :۱۷۸، ۱۷۹)

۲- ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ، فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ O﴾ . (سورة المائدة :۴۵)

۳- ﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ O﴾ . (سورة المائدة :۳۲)

وکیل دفاع: جناب عالی!

وکیلِ استغاثہ کی باتوں میں سچائی وصداقت نہیں ہے، میرے مؤکل نے اس بچی کا اِغوا نہیں کیا تھا، بلکہ واقعی پیار ومحبت ہی میں اپنے پاس بلایا تھا، اور سچ مُچ وہ اسے کھلونے اور کھانے کی چیزیں دلوانے کے لیے، اپنے ساتھ بازار لے جارہا تھا، اور آپ ﷺ کے ایک ارشاد:

"مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا فَلَیْسَ مِنَّا".

...... پر عمل پیرا ہو رہا تھا لیکن نفس وشیطان اس پر غالب آگئے، جس کی وجہ سے اس سے یہ تمام افعال سرزد ہوگئے۔

جناب جج صاحب! آپ بھی اِس اَمر سے بخوبی واقف ہیں کہ۔نفس وشیطان۔ کا مکر کیسا ہوتا ہے؟ اور وہ کس طرح آپ جیسے، ذہین، فطین، فہیم، متین اور دانش وروں کو بھی اپنے دامِ فریب میں جکڑ لیتا ہے، تو میرا مؤکل (اشارہ کرکے) بے چارہ، انتہائی سیدھا سادہ، بھولا بھالا انسان ہے، بھلا وہ کیوں کر اس کے فریب سے بچ سکتا تھا،...... اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ابوالبشر؛ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام جب اس کے مکر وفریب سے نہیں بچ سکے، تو اُن کی اولاد کیسے بچ سکتی ہے؟...... لہٰذا آپ سے میری گزارش ہے، کہ میرے مؤکل کے اِس جرم پر قلمِ عفو پھیر کر، اُسے بری کردے، وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے سچی پکی توبہ کرکے، دوبارہ اس طرح کی حرکت نہیں کرے گا۔

OoOoOoOoO

شرعی فیصلہ

جج : عدالتِ عالیہ، وکیلِ استغاثہ کے تینوں دعووں پر بینات اور گواہیوں کے قائم ہو جانے، اُن کے ٹھوس اور مضبوط دلائل کے پیش کرنے، اور اپنے ذرائع ووسائل سے تحقیقِ جرائم کرا لینے کے بعد......:

ملزم نمبر ایک ......ڈاکٹر شاہد کے......قوانینِ شرعیہ کی دفعہ نمبر ۲ر اور ملکی دستور کی دفعہ ۲۱ر کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے، اُس پر، اور اُس کے عاقلہ پر دِیَّت کو واجب کرتی ہے۔ جس کی مقدار موجودہ وزن کے اعتبار سے؛ ۴ر کلو ۳۷۴ر گرام سونا۔ یا پھر؛ ۳۶ر کلو ۲۰۰ر گرام چاندی ہوتی ہے۔

ملزم نمبر دو ......شیخ وحید کے......قوانینِ شرعیہ کی دفعہ نمبر ۲ر کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے، اُسے ۳۹ر کوڑے لگانے، ایک سال قید بامشقت، اور اس کے تجارتی لائسنس کی منسوخی کا حکم دیتی ہے۔

ملزم نمبر تین ؛ شیخ ضمیر کے، شرعی قوانین کی دفعہ نمبر ۲ر۳ر۱ور ۵ر کی خلاف ورزی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے، اُسے قصاص میں قتل کر دینے کا حکم دیتی ہے۔

حاضرین! بچے گلشنِ حیات کے مہکتے پھول، اور قدرت کا انمول تحفہ ہوتے ہیں، تحفہ جس قدر بڑا، اور جتنی عظیم ہستی کی طرف سے ہوتا ہے، اتنی ہی اُس کی قدر کی جاتی ہے، اور اس کا حق بھی ادا کیا جاتا ہے، اولاد کا حق والدین پر یہ ہے کہ اس کے لیے اچھی ماں کا انتخاب کیا جائے، اس کا اچھا نام رکھا جائے، اسے کتاب اللہ کی تعلیم دی جائے، اس کی نشو ونُما اور ترقی کے لیے وہ تمام ذرائع

مہیا کیے جائیں، جو اس کی استطاعت میں ہوں، اپنی مالی حیثیت کے مطابق مکان، غذا اور کپڑے لتّے کا حلال طریقے سے انتظام کریں، اس کی بہترین پرورش کریں، اس کو اچھے اخلاق سے آراستہ کریں، اور بری صحبتوں سے اسے روکیں، سات سال کی عمر تک اُسے نماز اور اخلاق کے بنیادی اُصول سکھا اور سمجھا دیں۔ کیوں کہ، اللہ پاک کا ارشاد ہے: ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾. ''اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔'' (سورة التحريم: ٦)

صحیح بخاری میں امام مجاہد رحمہ اللہ آیتِ مذکورہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

" ﴿قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ﴾ أَوْصُوْا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ بِتَقْوَى اللّٰهِ وَأَدِّبُوْهُمْ". ''اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال (بیوی، بال بچوں) کو تقویٰ خداوندی کی تعلیم دو، اور انہیں حسنِ تربیت سے آراستہ کرو۔'' (صحیح بخاری)

حدیث پاک میں وارد ہے: " مَا نَحَلَ وَالِدٌ وَلَدًا مِّنْ نَحْلٍ أَفْضَلَ مِنْ أَدَبٍ حَسَنٍ". ''والدین کا اپنی اولاد کو سب سے بہترین تحفہ حسنِ ادب ہے۔'' (ترمذی)

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ ارشاد ہے: " مَنْ وُلِدَ لَهُ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنْ اِسْمَهُ، وَأَدَّبَهُ، فَإِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ، فَإِنْ بَلَغَ فَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَأَصَابَ إِثْمًا، فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلٰى أَبِيْهِ". ''جس شخص کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو، اُسے چاہیے کہ اس کا اچھا سا نام رکھیں، اسے ادب سکھائیں، اور بالغ ہونے پر اس کا نکاح کر دیں، اگر وہ بالغ

ہوا، اوراس کی شادی نہیں کی گئی، پھر وہ کسی گناہ کا ارتکاب کرلے،تو اس کا گناہ اس کے باپ کے سر ہوگا۔'' (بيهقي)

آج کے اِس ترقی یافتہ دور میں موبائل فون، انٹرنیٹ،کیبل ٹی وی نے ہر گھر میں ڈیرہ ڈال رکھا ہے،جس سے نوجوان نسل میں فحاشی،عریانیت اورعصمت دری وبے حیائی بڑے زوروں پر منتقل ہورہی ہے،حکومتیں اس کے خلاف قوانین بنارہی ہیں،اس کے باوجود بے ہودگی اور غیر انسانی وغیر اخلاقی حرکتوں کا یہ سیلاب تھمتا دکھائی نہیں دیتا،ایسے حالات میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بچوں کواچھے اخلاق کی تعلیم دینا،اوران کی اچھی تربیت کرنا والدین کے حق میں محض مستحب نہیں، بلکہ فرض ہے،جس کے لیے والدین کوچاہیے کہ وہ اپنے بچوں کواخلاقی درس دیا کریں،اچھےلوگوں کی صحبت اختیار کرنے کاحکم دیں،اوران کی حرکات وسکنات پر پوری نظر رکھیں!

اگر والدین اولاد کے اِن حقوق میں کوتاہی کرتے ہیں،تو یہی اولاد ان کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے، اور پھر والدین اپنی اولاد کی نافرمانی، اور اُن کی طرف سے پہنچنے والی تکلیفوں کا رونا روتے پھرتے ہیں،اور یہ نہیں سوچتے کہ دراصل یہ نتیجہ ہے-اولاد کےحقوق کی ادائیگی میں کوتاہی وغفلت کا۔

اگر والدین اپنے بچوں کواسلامی اصولِ تعلیم وتربیت کےمطابق،تعلیم وتربیت دیں،تو ان سے اِن جرائم کاصُدور نہیں ہوسکتا،جن کا ہم نے اورآپ نے، اِس ''اسلامی عدالت''پروگرام میں مشاہدہ کیا۔

OoOoOoOoO

﴿یآ أیها الذین اٰمنوا لا تاکلوا أموالکم بینکم بالباطل إلا أن تکون تجارة عن تراض منکمo﴾ (القرآن)

///

وهو ؛ أن یأکل ......:

۞ بالربا ،

۞ والقمار ،

۞ والبخس ،

۞ والظلم ،

۞ و بغیر عوض ،

(جصاص)

(۱۰)

مکالمہ بابت:

ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفروخت

کردار:

(۱)ترجمان......(واجد علی)

(۲)خریدار......(ماجد)

(۳)خریدار......(خالد)

(۴)کروڑ پتی......(محمود شاہ)

(۵)مالکِ زمین......(حامد پاشا)

(۶)ڈیولپر......(پپوسیٹھ)

(۷)ہمدرد دیندار......(امتیاز احمد)

(۸)پیش کار......(شاہد علی)

(۹)وکیل استغاثہ......(صدرالدین آزردہ)

(۱۰)وکیل دفاع......(خسرومیاں)

(۱۱)چیف جسٹس اول......(مفتی خیر محمد صاحب)

تمہید

ترجمان: محترم سامعین! آج ہمارا معاشرہ حلال آمدنی وحلال کمائی کی طرف اتنی توجہ نہیں دے رہا ہے، جتنی اسے دینی چاہیے تھی، مسلمانوں کا تاجر طبقہ یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ وہ جن چیزوں کی تجارت کررہا ہے، شریعت کی نگاہ میں ان کی خرید وفروخت جائز ہے بھی یا نہیں؟ اور تجارت کی کونسی صورتیں جائز ہیں؟ اور کونسی ممنوع؟ جب کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: ”حلال کمائی کا طلب کرنا ہمیشہ فرض ہے“، اور حلال غذا کا عملِ صالح میں بڑا دخل ہوتا ہے، اسی مناسبت سے طلبۂ افتاء، دارالافتاء جامعہ ہذا کی نمائندگی کرتے ہوئے ”ٹوکن دے کر زمین کی خرید وفرخت“ کے عنوان پر ایک مکالمۂ فقہیہ شرعیہ کو، بصورتِ مقدمہ وفیصلہ پیش کرنے جارہے ہیں، دیکھئے! غور کیجیے! اور اپنی اِصلاح فرمالیجیے!

مقدمہ

خالد وماجد حامد پاشا کے خلاف،

خالد وماجد اختر میاں کے خلاف،

پپو سیٹھ خالد وماجد کے خلاف،

ماجد: ارے یار خالد! دنیا کہاں سے کہاں ترقی کرگئی، آپ محمود کو جانتے ہیں نا؟

خالد: کون محمود؟

ماجد: ارے بابا محمود یار؛ جو کالج میں ہمارے ساتھ پڑھتا تھا، لکھنے پڑھنے سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا، ہمہ وقت کھیل کود، مستی وشرارت میں لگا رہتا تھا، جس نے ماسٹر صاحب کے گھر جاکر، اُن کے گھر والوں سے جھوٹ بول کر پانچ سو روپئے اینٹھ لیے تھے، اور پھر ان روپیوں سے پوری کلاس والوں کو اور ماسٹر

صاحب کو پیڑے کھلائے تھے، یہ کہہ کر کہ:

میرے ابو ''ریٹائر'' ہوئے ہیں، اس خوشی میں انہوں نے یہ پیڑے بھیجے ہیں۔

خالد: ہاااں...... یاد آیا، یاد آیا!...... تو اب اس کے ساتھ کیا ہوا؟

ماجد: کچھ ہوا نہیں، بس؛ سب محلّہ، بستی والے اس کے ساتھ ہو گئے ہیں۔

خالد: وہ کیسے؟

ماجد: آپ کو پتہ ہے! اس کے والد کی معاشی حالت اتنی مضبوط نہیں تھی، گھر کے مصارف زیادہ تھے، لیکن ہمارے اس کلاس فیلو کا نصیبہ چمک گیا، آج وہ کروڑوں کا مالک ہے، شہر سے باہر ایک شان دار بنگلے میں اپنی بیوی بچوں اور والدین کے ساتھ رہائش پذیر ہے، عمدہ مرسیڈیز کار- زیرِ استعمال ہے، ہر وقت دس پانچ لوگ ساتھ لگے رہتے ہیں، پورے علاقے میں اس کا نام چلتا ہے۔

خالد: ماجد میاں! یہ تو بتایئے کہ اس کے حالات آناً فاناً اتنے جلدی کیسے بدل گئے؟ کیا کوئی دفینہ ہاتھ آ گیا؟

ماجد: نہیں بھئی! کوئی دفینہ وفینہ ہاتھ نہیں آیا، بلکہ اس نے اپنے والد سے ایک معمولی رقم لے کر، زمین کی خرید وفروخت کا کاروبار شروع کیا، اور اللہ نے اس میں خوب برکت دی، اور میں نے بھی ایک مولانا سے سنا ہے کہ ''تجارت میں اللہ تعالیٰ نے 90 % رزق رکھا ہے، اور دیگر ذرائع میں محض 10%''۔

خالد: ہووں!...... اس کا یہ مطلب ہوا کہ ہم اور آپ جو پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کر رہے ہیں، اور ہمہ وقت گھر کے اخراجات اور کچن میں پریشان

رہتے ہیں، اسی 10% والی روزی میں شامل ہیں!

ماجد: ہاں ہاں، بالکل!

خالد: تو یار! ہمیں بھی ایسی کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ ہم بھی اس 90% والی روزی میں داخل ہوجائیں، اور ویسی ہی عیش وآرام کی زندگی گزرے، جیسے ہمارے دوست محمود کی گزر رہی ہے۔

لیکن...... ماجد! ہمیں اس کے لیے کیا کرنا ہوگا؟

ماجد: کرنا کیا ہے؟ بس وہی راستہ اختیار کرنا ہوگا، جو محمود نے اختیار کیا ہے۔

خالد: لیکن بظاہر اس راستے پر چلنا ہمارے لیے ممکن نہیں ہے!

ماجد: دیکھو خالد! اس دنیا میں کوئی چیز ناممکن نہیں ہے، مشکلے نیست کہ آساں نہ شود! بس حوصلہ رکھو!

خالد: ٹھیک ہے، تو پھر بتاؤ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

ماجد: بہت اِیزی ہے، اگر آپ کے بینک اکاؤنٹ میں کچھ پس انداز رقم ہو، تو مجھے دیدو، میں اتنی ہی اپنی رقم ملادوں گا، ہم دونوں زمین کا کاروبار شروع کردیں گے، اگر اللہ نے چاہا تو بہت جلد ہمارے دن پلٹ جائیں گے۔

خالد: ٹھیک ہے!

ترجمان: اس گفتگو کے بعد؛ خالد اور ماجد تین لاکھ روپئے کے سرمایہ سے زمین کے کاروبار میں قدم رکھتے ہیں۔

کچھ دنوں بعد دونوں کی آپس میں ملاقات ہوتی ہے:

ماجد: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

خالد: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ماجد: ارے خالد!

میں نے سنا ہے شہر سے لگ کر، بالکل لبِ سڑک حامد پاشا اپنی پانچ ایکڑ زمین، پانچ کروڑ میں فروخت کررہے ہیں، میرے ان سے اچھے تعلقات ہیں، ہمارے گھر ان کی آمد ورفت بھی ہے، ابا کے مخلص دوستوں میں سے ہیں، اگر وہ زمین ہم خریدتے ہیں، تو وہ ہماری خاطر چار پانچ لاکھ کم بھی کرسکتے ہیں۔

خالد: تم تو بالکل پگلے ہو، کہاں پانچ کروڑ، اور کہاں ہمارے تین لاکھ؟ اتنی معمولی رقم میں ان کے ساتھ ہم کیسے معاملہ کرسکتے ہیں؟

ماجد: تم بھی تو بَولے ہو، کیوں نہیں کرسکتے؟ لگتا ہے تمہیں اس کاروبار کی ہوا بھی نہیں لگی، ارے ہمیں انہیں پوری پانچ کروڑ کی رقم تھوڑی نا دینا ہے، بلکہ ہم سودا کرکے حامد پاشا صاحب کو صرف تین لاکھ کی رقم، بطورِ ٹوکن وبیعانہ دیں گے، اور معاملے کو حتمی شکل دینے کے لیے، اُن سے ایک سال کی مہلت لے لیں گے، اس درمیان ہم دونوں مل کر یہ کوشش کریں گے، کہ اس زمین کو سات کروڑ میں خریدنے والا کوئی بکرا مل جائے، اس کے ہاتھ یہ زمین فروخت کردیں گے، اس سے سات کروڑ لے کر، پانچ کروڑ حامد پاشا کو دیں گے، اور بقیہ دو کروڑ میں ہمارا آدھا آدھا نفع رہے گا! یعنی صرف سال بھر کی مدت میں، ہم اپنی اصل رقم ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ پر، ایک ایک کروڑ بینیفٹ کمالیں گے، آئی نا بات کھوپڑی میں؟ کیسی

تدبیر ہے؟ ایسی تدبیروں کے برآمد کرنے کے لیے اصل گھی کھانا پڑتا ہے، آلو بیگن سے کام نہیں چلتا! سمجھے!

خالد: ہاں بھئی! اب آپ کی ریاضی سمجھنے کے لیے، مجھے بھی روغنِ بادام کی مالش سر پر کرانا پڑے گی! تو ٹھیک ہے پھر آپ حامد پاشا صاحب سے بات چیت کرکے، انہیں ٹٹول لو، وہ کیا کہتے ہیں؟

ترجمان: اب ماجد، حامد پاشا صاحب سے ملاقات کرکے ان سے اس معاملے کی پیش رفت کرتے ہیں۔

ماجد: السلام علیکو وووووم! حامد چچّا! (تلفُّظ ایسے ہی)

حامد پاشا: وعلیکم السلا!!!!!!!!!ام!

برخوردار! کیسے آنا ہوا میاں؟ سب گھر میں خیریت تو ہیں نا؟

ماجد: جی چچا! گھر میں سب خیریت سے ہیں، دراصل حاضری کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے سنا، آپ اپنی شہر سے متصل ایک پانچ ایکڑ زمین، پانچ کروڑ میں فروخت کررہے ہیں؟

حامد پاشا: ہاں! کیا آپ اسے خریدنا چاہتے ہیں؟

ماجد: جی ہاں!

حامد پاشا: مگر تمہارے پاس اتنا سرمایہ تو ہے نہیں، اور میں تمہاری معاشی حالت سے بخوبی واقف ہوں!

ماجد: چچا! آپ صحیح فرمارہے ہیں، ہماری اکانومک کنڈیشن (معاشی

حالت) ایسی نہیں کہ ہم اتنی قیمتی زمین نقد خریدیں، مگر میں اور میرے دوست خالد نے تین لاکھ روپئے مشترکہ طور پر جمع کیے ہیں، ہم یہ چاہتے ہیں کہ آج آپ سے اس زمین کا سودا کرلیں، بیعانہ کے طور پر آپ کو فی الحال تین لاکھ روپئے دے دیں، اور سودا پاؤتی (ایگریمنٹ ٹو سیل / دستاویز) کرلی جائے، بقیہ رقم ایک سال کے بعد، اُس وقت دیں گے، جب ہم اس زمین کی قطعی بیع کرلیں گے، اور اسی وقت خریدی بکری کی رجسٹری بھی ہوجائے گی، اس درمیان میں ہم کوشش کریں گے کہ کوئی خریدار مل جائے، جس سے نقد رقم لے کر، ہم آپ کی مقررہ قیمت-مقررہ وقت پر دیدیں، اور بقیہ رقم ہمارا نفع ہوگی۔ ہمیں آپ سے امید ہے کہ آپ ہماری اس درخواست کو قبول کریں گے، اور جو ریٹ آپ نے لگائے، اس میں کچھ تخفیف بھی کردیں گے۔

حامد پاشا: بیٹا ماجد!

تم میرے مرحوم دوست ساجد کی نشانی ہو، میں تمہاری ان دونوں فرمائشوں کو قبول کرتا ہوں، مگر اتنی بات یاد رکھو کہ یہ بزنس ہے، اور بزنس میں آج کل جو اصول رائج ہیں، ان کی پابندی مجھے اور آپ دونوں کو کرنی ہوگی!

ماجد: میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟

حامد پاشا: میاں! اس بزنس میں یہ اصول ہے کہ مقررہ تاریخ کو اگر خریدار، پورا پیمینٹ ادا کرنے میں ناکام ہوتا ہے، تو بیعانہ کی رقم ڈوب جاتی ہے، اور مالکِ زمین؛ یہ زمین تھرڈ پارٹی کے ہاتھوں فروخت کرنے کا مجاز ہوتا ہے،

اِس صورت میں خریدار کو اپنے اصل سرمایہ سے بھی ہاتھ دھونا پڑ جاتا ہے۔ اِن نگاہوں نے بہتوں کو دیکھا؛ اس بزنس میں آئے، راتوں رات اُن کا نصیبہ چمک گیا، ''روڑ پتی'' سے ''کروڑ پتی'' بن گئے، اور بہت سے ایسوں کو بھی؛ جنہیں نفع تو کیا ملتا، مزید قرض کے بوجھ تلے دب کر رہ گئے، ایک روٹی کے چکر میں آدھی بھی ہاتھ سے چلی گئی۔

ماجد: چچا! یہ اصول سمجھ میں آ گیا، اسی اصول کے مطابق ہم آپ سے یہ معاملہ کرنا چاہتے ہیں، تو فرمائیے! آپ ہمارے لیے اس زمین کی قیمت کیا لگاؤ گے؟ اور پیمینٹ کی ادائیگی کے لیے کتنی مہلت دو گے؟

حامد پاشا: کوئی اور ہوتا، تو میں ایک روپیہ بھی کم نہ کرتا، میری یہ زمین سونا ہے سونا، چوں کہ تم میرے مرحوم دوست کی اکلوتی اولاد ہو، تم روپئے کماؤ مجھے اس میں خوشی محسوس ہوگی، اس لیے میں تمہیں یہ زمین چار کروڑ ۹۰/لاکھ میں دینے کا وعدہ کرتا ہوں، جس کے لیے آپ تین لاکھ روپئے بطورِ بیعانہ دو نگے، اور ٹھیک ایک سال بعد پوری قیمت ادا کرکے، اس معاملے کو حتمی شکل دے کر، خرید ی بکری کرلی جائے گی، تم تین لاکھ روپئے دیدو، میں تمہیں ایگریمینٹ ٹو سیل (وعدۂ بیع) کی دستاویز بنادیتا ہوں۔

ماجد: ٹھیک ہے چچا! یہ لیجیے......تین لاکھ روپئے کا ٹوکن (بیعانہ)۔

ترجمان: ماجد وخالد دونوں بہت خوش ہیں، گھر جاتے وقت انہوں نے بازار سے، اپنے دوست واحباب اور گھر والوں کے لیے مٹھائیاں خریدیں، اور سب کا منھ میٹھا کیا۔

اب خالد و ماجد رات دن یہ کوشش کررہے ہیں، کہ کسی طرح انہیں متعینہ مدت میں اس زمین کا کوئی خریدار مل جائے، تاکہ زمین نفع کے ساتھ اس کے ہاتھ فروخت کرکے، چچا حامد کی مقرر کردہ قیمت ادا کردیں، اور اپنا نفع بھی نکال لیں، لیکن سال ختم ہونے کو ہے، اور اب تک انہیں کوئی خریدار نہ مل سکا، آج کل زمین کا کاروبار-مندی کا شکار ہے، دونوں کی نیند حرام ہوچکی ہے، کہ کہیں مدت ختم ہونے پر اصل سرمایہ بھی ڈوب نہ جائے، بہر حال! اللہ اللہ کرکے ایک خریدار ...... پپو سیٹھ ہاتھ لگا، ......آگے ملاحظہ کیجیے!

ماجد و خالد: السلام علیکم...... پپو سیٹھ!

پپو سیٹھ: وعلیکم السلام......!

خالد: سیٹھ جی! ہمارے پاس ایک زمین ہے۔

ماجد: زمین کیا...... بلکہ سونا ہے......!

پپو سیٹھ: آخر تم لوگ چاہتے کیا ہو؟ کیا زمین؟ کیا سونا، میں کچھ سمجھا نہیں!

ماجد: سیٹھ جی! ہمارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک زمین ہے، اگر آپ اسے لوگے، تو سونے کا دام دے کر جائے گی!

پپو سیٹھ: کونسی زمین؟ حامد پاشا کی، جو آج کل موضوعِ سخن بنی ہوئی ہے؟ میں نے بھی سنا ہے کہ بڑی قیمتی زمین ہے، اور تم دونوں نے یہ سودا کیا ہے!......تو بولو! کتنے میں دینا ہے؟

ماجد: سیٹھ جی! صرف ساڑھے سات کروڑ روپئے!

پپو سیٹھ: زیادہ ہوتے ہیں، ذرا نیچے اُترو!

ماجد: چلو، سات کروڑ میں لے لو، آپ کا بھی فائدہ ہو، ہمارا بھی نقصان نہ ہو!

پپو سیٹھ: ٹھیک ہے، لو یہ پانچ لاکھ کا ٹوکن، اور بقیہ دو ماہ بعد دوں گا!

ترجمان: حاضرین! خالد و ماجد اپنی محنت پر بڑے خوش ہیں، اور آنے والے نفع پر ابھی سے پلاننگ میں مصروف ہیں، لیکن جب دو ماہ کی مدت پوری ہونے پر، معاملے کو حتمی شکل دینے، اور بقیہ رقم کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، تو پپو سیٹھ کی طرف سے انہیں کیا جواب ملتا ہے؟......ملاحظہ ہو!

پپو سیٹھ: میاں خالد و ماجد! کیا بتاؤں، میں نے آپ لوگوں سے معاملہ تو کرلیا، مگر اس کے بعد سے کاروباری حالت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی، اور آج یہ حالت ہے کہ میں تقریباً ایک کروڑ کا مقروض ہو چکا ہوں، اب تم ہی بتاؤ! میں تمہارے ساتھ کیے گئے معاملے کو کس طرح ڈِیل کرسکتا ہوں؟ میں معذرت خواہ ہوں، اور آپ لوگوں سے مؤدبانہ درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر رحم کرکے، ٹوکن کے پانچ لاکھ روپئے مجھے واپس دیدو، اور اِس معاملے کو ختم کردو!

ماجد و خالد: سیٹھ صاحب! آپ نے ہماری تمام امیدوں، آرزؤں، منصوبوں اور پلانوں پر پانی پھیر دیا، ایسا لگتا ہے ہمارا مستقبل تاریک ہوگیا، آپ کو پتہ نہیں؛ آپ کے ساتھ معاملے کے بعد ہم نے کیا کیا خیالات باندھے تھے، کیا کیا خواب دیکھے تھے، وہ سب چکنا چور ہوگئے، رہی آپ کے بیعانہ کی پانچ لاکھ کی رقم؛ تو ہم نے اس رقم سے اختر میاں کے ساتھ ایک کروڑ مالیت کی زمین کا

معاملہ کر رکھا ہے، پانچ لاکھ کی رقم بطورِ ٹوکن انہیں دیدی، اور مزید رقم کی ادائیگی کے لیے چھ ماہ کی مہلت لے رکھی ہے، لیکن جب آپ اس معاملے کو ختم کر رہے ہیں، تو ہمارا اختر میاں کے ساتھ کیا گیا معاملہ بھی پورا نہیں ہوسکے گا، اور ہم نے انہیں جو پانچ لاکھ بطورِ بیعانہ دیئے ہیں، وہ بھی ہمیں واپس نہیں ملیں گے، اس لیے ہم آپ کی اس درخواست کو قبول کرنے سے معذور ہیں۔

ترجمان: ادھر حامد پاشا سے لی گئی مہلت پوری ہوتی ہے، اور حامد پاشا بقیہ پیمینٹ کی ادائیگی اور معاملہ کو حتمی شکل دینے کا مطالبہ کرتے ہیں، تو خالد وماجد ان الفاظ میں، اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں،......سماعت فرمائیں!

ماجد وخالد: چچا حامد پاشا صاحب! ہم آپ کے ساتھ کیے ہوئے معاملے پر بڑے خوش تھے، اور ہمیں امید تھی کہ ہم اس میں اچھا خاصا نفع کما کر اپنے مکانات بنالیں گے، بچوں کی شادیاں کردیں گے، حج وعمرہ کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوں گے، مگر کیا بتائیں! رات دن محنت کے باوجود ہم آپ کی زمین کو آگے فروخت کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے، ایک بندے کے ہاتھ سودا بھی ہوگیا، اس نے بطورِ ٹوکن پانچ لاکھ روپئے بھی ہمیں دیئے، مگر کاروباری حالت خراب ہونے کی وجہ سے وہ اس معاملے کو حتمی شکل نہ دے سکا، اور معاملے کو ختم کردیا، اور اب اپنے بیعانہ کی واپسی کا مطالبہ کررہا ہے، جب کہ وہ رقم بھی ہمارے ہاتھوں سے نکل کر ڈوب چکی ہے، لہٰذا خدارا! آپ ہمارے حال پر رحم فرمایئے، اور بیعانہ کی رقم واپس کردیجیے، اور یہ سمجھئے کہ ہمارا اور آپ کا سودا کینسل!

حامد پاشا (غصہ میں لال پیلے ہوکر بآوازِ بلند):

کم بختوں! میں نے پہلے ہی تمہارے ساتھ احسان کا معاملہ کیا، پانچ کروڑ کی زمین چار کروڑ نوے لاکھ میں دینے کا وعدہ کیا، پیمینٹ کی ادائیگی کے لیے سال بھر کی مہلت دی، اور آج ایک سال بعد تم لوگ اس سودے کو کینسل کررہے ہو، جب کہ اس درمیان کئی گاہک بڑی بڑی قیمتوں کا آفر لے کر آئے، مگر میں نے انہیں یہ زمین نہ دی، بلکہ تمہارے ساتھ کیے ہوئے سودے کے مکمل ہونے کا انتظار کرتا رہا، اور آج تم مجھ سے ایسی باتیں کررہے ہو!...... جاؤ! معاملہ ختم، اور تمہارے ٹوکن کی رقم بھی تمہیں واپس نہیں دی جائے گی! جو بنے کرلینا!

ترجمان: خالد وماجد اپنی سال بھر کی محنت پر پانی پھر جانے، اور اصل سرمایہ کے ڈوب جانے پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، تو ایک دِین دار شخص (امتیاز) انہیں تسلی دیتا ہے:

امتیاز (ایک دیندار): دیکھو بھائیو! نفع ونقصان قسمت کا فیصلہ ہوتا ہے، اس پر راضی رہنا چاہیے، اتنا زیادہ رنجیدہ اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ حامد میاں نے تمہارے بیعانہ کی جو رقم رکھ لی، وہ اچھا نہیں کیا، اسے تمہارے حال پر رحم کرنا چاہیے تھا، اور تم لوگوں نے حامد میاں کے ساتھ اپنے معاملے کے مکمل ہونے سے پہلے ہی، اس کی زمین کا جو سودا پپو سیٹھ سے کیا، یہ بھی اچھا نہیں کیا، اب ایسا کرو، تم اپنا یہ مقدمہ کسی ماہر وکیل کے ذریعہ، شرعی عدالت میں داخل کردو، یقین ہے کہ تمہیں ضرور انصاف ملے گا، اور تمہارے بیعانہ کی رقم بھی واپس مل جائے گی۔

ترجمان: خالد وماجد ملک کے معروف ومشہور وکیل ’’صدرالدین آزردہ‘‘ کے ذریعہ عدالتِ عالیہ میں اپنا یہ مقدمہ پیش کرتے ہیں، جس کی سماعت کے لیے ۱۲؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ کی تاریخ طے کی جاتی ہے، لیجیے! ۱۲؍تاریخ آ پہنچی، اور دونوں فریق اپنے اپنے وکیل کے ساتھ احاطۂ عدالت میں موجود ہیں!

پیش کار: مقدمہ نمبر ایک کے مدعی اور مدعیٰ علیہ کمرۂ عدالت میں حاضر ہوں!

وکیل استغاثہ (صدرالدین): جناب جج صاحب!

میرے مؤکل - ماجد وخالد - نے حامد پاشا صاحب سے، چار کروڑ نوے لاکھ میں پانچ ایکڑ زمین کا سودا کیا، بطورِ ٹوکن (بیعانہ) انہیں تین لاکھ روپئے دیئے، بقیہ رقم کی ادائیگی اور معاملے کو حتمی شکل دینے کے لیے ایک سال کی مدت باہمی رضامندی سے طے پائی، اس درمیان میرے مؤکلوں نے جان توڑ کوشش کی کہ کسی طرح یہ معاملہ ڈِیل ہوجائے، مگر جج صاحب! آپ بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قدرت کی مشیت کے بغیر، آدمی اپنی محنت میں کامیاب نہیں ہوسکتا، یہی کچھ میرے مؤکلوں کے ساتھ ہوا، اور وہ اس معاملے کو ڈِیل کرنے میں ناکام ثابت ہوئے، مدعیٰ علیہ - حامد - کو چاہیے تھا، کہ کشادہ دِلی وہمدردی کا مظاہرہ کرتا، ان مصیبتوں کے ماروں کو تسلی دیتا، ان کے بیعانہ کی رقم واپس کرتا، کہ یہی مومنانہ اخلاق، اور شرعی قانون کا تقاضا تھا، جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَا تَأْكُلُوْٓا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ . (سورۃ النساء: ۲۹)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے:" مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا فَرَّجَ

اللّٰہُ عَنْہُ کُرَب الآخِرَۃِ .... وَاللّٰہُ فِيْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِيْ عَوْنِ أَخِيْہِ " . (سنن النسائي : ۳۰۸/۴ ، قضاء الحوائج لإبن أبي الدنیا : ۳۸/۱)

لہٰذا میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں، کہ مدعیٰ علیہ کو اُس کے اِس غیر اخلاقی فعل پر تعزیر کی جائے، اور میرے مؤکلوں کو، بیعانہ کی رقم واپس کی جائے!

وکیل دفاع (خسرو میاں): محترم جج صاحب!

وکیلِ استغاثہ عدالتِ عالیہ کو گمراہ کرر ہا ہے، اس کے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے نہ قانون پڑھا، نہ تاجروں کے عرف ورَواج کو سمجھا، زمین کے کاروبار میں تاجروں کا عرف ورَواج یہ ہے کہ؛ جب سودے کینسل ہو جاتے ہیں، تو نہ ٹوکن کی رقم واپس کی جاتی ہے، اور نہ خریداروں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے، گویا دونوں اس بات پر راضی ہوتے ہیں، اور کسی بھی معاملے میں طرفین کی رضامندی اس معاملہ پر اثر انداز ہوا کرتی ہے، جیسے: نکاح، بیع، اجارہ وغیرہ!

نیز معاملات میں عرف ورَواج کا اعتبار ہوتا ہے، اور عرف ورَواج یہی ہے کہ بیعانہ کی رقم واپس نہیں کی جاتی، جیسا کہ قانونِ شرع کی دفعہ 69:

" اَلْعُرْفُ فِيْ الشَّرْعِ لَہٗ اعْتِبَارٌ ☆ لِذَا عَلَیْہِ الْحُکْمُ قَدْ یُدَارُ "

...... اِس پر شاہد ہے، اس لیے مدعی بیعانہ کی رقم واپس لینے کا حق دار نہیں ہے۔

رہی یہ بات! کہ میرے مؤکل (حامد پاشا) نے مصیبت کی گھڑی میں مدعیٰ علیہ؛ ماجد وخالد کو تسلی نہیں دی، اور ان کے ساتھ اظہارِ ہم دردی وغم خواری کا معاملہ نہیں کیا، تو یہ محض اخلاقی واحسانی چیز ہے، جس پر تعزیر نہیں کی جاسکتی! کیوں

کہ قانون کی دفعہ 82:

" تَرْکُ الإحْسَانِ لا یَکُوْنُ إِسَاءَ ةً "......اِس پر شاہد ہے۔

وکیل استغاثہ: جناب جج صاحب!

وکیلِ دفاع نے اپنے موٴکل کا دفاع کرتے ہوئے یہ کہا:

قانونِ شرع کی دفعہ 69:

" اَلْعُرْفُ فِيْ الشَّرْعِ لَهُ اعْتِبَارٌ ☆ لِذَا عَلَيْهِ الْحُكْمُ قَدْ يُدَارُ "

......کے تحت میرا موٴکل (مدعی) بیعانہ کی رقم واپس لینے کا حق دار نہیں ہے۔

عالی جناب! زیرِ سماعت مقدمے سے اِس دفعہ کا کوئی تعلق نہیں ہے، کیوں کہ عرف ورَواج کا اعتبار اسی وقت ہوتا ہے، جب کہ وہ مخالفِ شرع نہ ہو، اوراس کی صراحت قوانینِ اسلام کے ماہر، علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے، اِن الفاظ میں فرمائی ہے: " اَلْعَمَلُ بِالْعُرْفِ مَا لَمْ يُخَالِفِ الشَّرِيْعَةَ " . (رسم المفتي :ص/ ۱۸۱)

......نیز وکیلِ موصوف نے یہ بھی کہا کہ؛ اس کے موٴکل کے غیر اسلامی اخلاق کے اَپنانے پر وہ مستحق تعزیر نہیں، حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دینِ اسلام کا دارومدار ہی ایک دوسرے کی خیر خواہی، ہمدردی وغم خواری پر ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: " اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ " . (صحيح بخاري)

جج صاحب (مفتی خیر محمد):

فریقین کے دلائل وجرح کی سماعت کے بعد؛ عدالتِ عالیہ، کتابِ قانون کی دفعہ:

﴿لا تَأْكُلُوْا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ . (سورة النساء : ۲۹)

اور آپ ﷺ کے فرمان: "أَلَا ! لَا يَحِلُّ مَالُ امْرِئٍ مُّسْلِمٍ إِلَّا بِطِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ". (سنن دار قطني: ۲۲/۳)

...... کے تحت، حامد پاشا کو، یہ حکم دیتی ہے کہ وہ خالد وماجد کو، اُن کے بیعانہ کی رقم واپس کردے، اور حکومتِ وقت کو یہ ہدایت دیتی ہے، کہ پارلیمینٹ میں ایسا بِل پاس کرے، جس سے کاروبار کی اِس شکل پر بریک لگ جائے، اور لوگ ناحق وباطل طریقے پر ایک دوسرے کے مال کھانے سے بچ جائیں، تاکہ اس طرح کے معاملات میں پھنس کر معاشرے کا چین وسکون تباہ وبرباد نہ ہو، کیوں کہ خرید وفروخت کی ایسی صورت؛ جس میں آدمی ٹوکن دے کر محض (Agreement to sell) معاہدۂ بیع کرتا ہے، اور معاملہ کو حتمی شکل دینے کے لیے طرفین کی رضامندی سے ایک مدت طے ہوتی ہے، بیعِ تام نہیں، بلکہ معاہدۂ بیع ہے، جس کی وجہ سے وہ اس زمین کا مالک نہیں ہوتا ہے، لہٰذا آگے کسی اور کے ہاتھوں اُس کا اِس زمین کو فروخت کرنا، شرعاً درست نہیں، لیکن عامۃً یہ ہوتا ہے کہ مدتِ مہلت کے درمیان، خریدار اس زمین کو اپنی ملک میں آنے سے پہلے، محض سودا پاوتی کی بنیاد پر، کسی اور کے ہاتھ فروخت کرتا ہے، اور پھر وہ آگے کسی اور کے ہاتھ، اس طرح محض ٹوکن دے کر، خرید وفروخت کا یہ سلسلہ کئی لوگوں تک پہنچتا ہے، اور جب پہلے مرحلے میں طرفین کے مابین یہ معاملہ مکمل نہیں ہو پاتا، تو پھر آگے معاملہ کرنے والے، ایک دوسرے سے دست وگریباں ہو جاتے ہیں، جھگڑے، فساد اور مقدمہ بازیوں کی نوبت آپہنچتی ہے، جیسا کہ آج کا یہ مقدمہ اس کی تازہ مثال ہے۔

حاضرین! خرید وفروخت؛ یقیناً انسانی ضروریات میں داخل ہے، مگر اس

کی تکمیل کے لیے شریعت نے ہمیں چند اصولوں کا مکلّف و پابند کیا، اور وہ یہ ہیں:

(۱) أَنْ يَّكُوْنَ الْمَبِيْعُ مَوْجُوْدًا حِينَ الْعَقْدِ ، فَلا يَصِحُّ بَيْعُ الْمَعْدُوْمِ . وَذٰلِكَ بِاتِّفَاقِ الْفُقَهَاءِ . ''معاملے کے وقت فروخت کی جانے والی چیز موجود ہو، لہٰذا غیر موجود چیز کی خرید وفروخت درست نہیں۔''

(۲) أَنْ يَّكُوْنَ مَالًا ، فَمَا لَيْسَ بِمَالٍ لَيْسَ مَحَلًّا لِلْمُبَادَلَةِ بِعِوَضٍ . ''فروخت کی جانے والی چیز شریعت کی نگاہ میں مالِ متقوم ہو، لہٰذا حرام چیزوں کی بیع درست نہیں۔''

(۳) أَنْ يَّكُوْنَ مَمْلُوْكًا لِّمَنْ يَّلِي الْعَقْدَ ، فَلا يَصِحُّ بَيْعُ مَا لا يَمْلِكُهُ لِحَدِيْثِ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ : " لا تَبِعْ مَا لَيْسَ عِنْدَكَ " . (ترمذي)

''آدمی جس چیز کو فروخت کر رہا ہے، وہ اس کا مالک ہو، لہٰذا جس چیز کا وہ مالک نہیں، اُس کی بیع بھی درست نہیں۔''

(۴) أَنْ يَّكُوْنَ مَقْدُوْرَ التَّسْلِيْمِ ، فَلا يَصِحُّ بَيْعُ غَيْرَ مَقْدُوْرِ التَّسْلِيْمِ ، فَلا يَصِحُّ بَيْعُ الْجَمَلِ الشَّارِدِ ، وَلا بَيْعُ الطَّيْرِ فِي الْهَوَاءِ ، وَلا السَّمَكِ فِي الْمَاءِ ، لِـ " نَهْيِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم عَنْ بَيْعِ الْغَرَرِ " .

''جس چیز کو فروخت کیا جا رہا ہے، اس کے سپرد کرنے پر قادر ہو، لہٰذا بدک کر بھاگے ہوئے اُونٹ، ہوا میں اُڑتے ہوئے پرندے، اور پانی میں موجود مچھلی کی بیع درست نہیں۔'' (صحيح مسلم)

(۵) أَنْ يَّكُوْنَ مَعْلُوْمًا لِكُلٍّ مِّنَ الْعَاقِدَيْنِ ، فَبَيْعُ الْمَجْهُوْلِ جِهَالَةً

تُفْضِيْ إِلَى الْمُنَازَعَةِ غَيْرُ صَحِيْحٍ كَبَيْعِ شَاةٍ مِّنَ الْقَطِيْعِ . (وَهٰذَا شَرْطُ صِحَّةٍ لا شَرْطُ انْعِقَادٍ – أَيْ لَمْ يَبْطُلِ الْعَقْدُ بَلْ يَصِيْرُ فَاسِدًا)

”جس چیز کوفروخت کیا جارہا ہے، وہ عاقدین میں سے ہر ایک کو معلوم ہو، لہٰذا ایسی مجہول وغیر معلوم چیز کی بیع؛ جس کی جہالت والاعلمی جھگڑے فساد کا سبب بنے درست نہیں۔“ (الموسوعة الفقهية)

آج ہم مسلمانوں نے خرید وفروخت کے سلسلے میں، شریعت کے ان رہنما اصولوں کونظر انداز کردیا، اور لین دین کی ایسی صورتوں کو بھی اپنالیا، جوشریعت کی نگاہ میں ناجائز وحرام ہیں، جس کی وجہ سے ہم اکلِ حلال کی نعمت سے محروم ہوتے جارہے ہیں، اوراسی کا یہ اثر ہے کہ اعمالِ صالحہ میں ہماری رغبتیں دن بدن کم سے کم تر ہوتی جارہی ہیں، کیوں کہ اکلِ حلال اور اعمالِ صالحہ میں چولی دامن کا ساتھ ہے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ . ”اے پیغمبرو!تم اورتمہاری امتیں نفیس چیزیں کھاؤ کہ خدا کی نعمت ہے، اورکھا کرخدا کا شکرادا کرو- کہ نیک کام کرو، میں تم سب کے کیے ہوئے کاموں کوخوب جانتا ہوں۔“ (سورۃ المؤمنون:۵۱)

اِس آیت کی تفسیر میں حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ: اکلِ حلال اورعملِ صالح ان دونوں حکموں کوایک ساتھ لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ”حلال غذا کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے“ ، جب غذا حلال ہوتی ہے، تو نیک اعمال کی توفیق خود بخود ہونے لگتی ہے، اورغذا حرام ہو، تو نیک کام کا ارادہ کرنے کے

باوجود بھی اس میں مشکلات حائل ہوجاتی ہیں،حدیث پاک میں ہے:

” أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ لا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا ، وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَهُ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ ، فَقَالَ : ﴿يَآ أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صٰلِحًا ، إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ . وَقَالَ : ﴿يَآ أَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ﴾ . ثُمَّ ذَكَرَ الرَّجُلَ يُطِيْلَ السَّفَرَ ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ ، يَا رَبِّ ! يَا رَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ ، وَمَلْبَسُهُ حَرَامٌ ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ ، فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ “.

کہ ”بعض لوگ لمبے لمبے سفر کرتے ہیں،غبار آلود رہتے ہیں، پھر اللہ کے سامنے دعا کے لیے ہاتھ پھیلاتے ہیں، اور یارب یارب پکارتے ہیں،مگر ان کا کھانا حرام، پینا حرام،لباس بھی حرام سے تیار ہوتا ہے،اور حرام ہی کی ان کو غذائیں ملتی ہیں،ایسے لوگوں کی دعا کہاں قبول ہوسکتی ہے!!“ (صحیح مسلم:۱/۳۲۶،معارف القرآن:۶/۳۱۶)

تو آئیے !

”جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا“ کی اِس عظیم الشان مسجد، (مسجد میمنی) میں قائم ،عدالتِ عالیہ،اور اسٹیج پر جلوہ افروز،اس تحریکِ اسلامی کے روحِ رواں، میرِ کارواں؛حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ ورعاہ۔

آج کے اِس ۲۶/ویں عظیم الشان سالانہ اجلاس میں شریک، معزز وخصوصی مہمان،ملتِ اسلامیہ کے دھڑکتے دل،ازہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کی مسندِ حدیث کی زینت،فقیہ ملت؛حضرت مولانا مفتی سعید صاحب پالن پوری دامت برکاتہم۔

اور......حبیبِ ملت، جانشینِ حضرت قاری صدیق صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ؛حضرت مولانا قاری حبیب صاحب باندوی دامت برکاتہم۔

امیر ملتِ اسلامیہ آندھرا پردیش؛حضرت مولانا جمال الرحمٰن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم۔

اور دیگر بزرگانِ دین اور وارثینِ انبیاء کے سامنے، یہ **عہد** کریں......کہ ہم:

- زندگی کے ہر شعبے میں ؛ عقائد،عبادات ، معاملات ، معاشرت واخلاق میں مکمل اسلامی ہدایات واحکام کی پیروی کریں گے۔
- ہندوستان کی اس سرزمین پر ایسا معاشرہ قائم کریں گے، جو شراب، زنا، چوری،غیبت،لوٹ کھسوٹ ،رشوت ،سود اور جوا جیسے جرائم سے پاک ہو،اور اس میں ملک وسماج کے ہر فرد کی آبرو وعزت، جان ومال محفوظ ہو۔
- ایک دوسرے کے حقوق کو مکمل طور پر ادا کریں گے،ناحق کسی کا مال نہیں کھائیں گے۔
- لڑکیوں کو وراثت میں اُن کا شرعی حق دیں گے۔
- مدارس،مکاتب اور خانقاہوں کو مستحکم کریں گے۔
- اپنے بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم اور اس کے ساتھ دنیوی تعلیم سے بھی آراستہ کریں گے۔
- دعوت وتبلیغ سے اپنا رشتہ مضبوط بنائیں گے۔
- مسجدوں کو آباد کریں گے۔

- اپنے خدا سے اپنے رشتہ کو استوار کریں گے۔
- شرک وبدعت، غیر شرعی رسومات، اور فیشن پرستی سے اپنے آپ کو بچا کر، دوسروں کو بچانے کی فکر کریں گے۔
- مرتے دم تک، اپنی ذات سے ملک وسماج کے کسی فرد کو، کوئی تکلیف نہیں ہونے دیں گے۔

اے اللہ! ہمیں اپنے اِس عہد پر قائم رکھ! ہم سے راضی ہو جا، مرنے کے بعد ہمیں اپنی رضامندی کا پروانہ عطا فرما!

آمین یارب العالمین!

ومجموع الضروريات خمسة : وَهِيَ حِفْظُ الدِّيْنِ ، وَالنَّفْسِ ، وَالنَّسْلِ ، وَالْمَالِ ، وَالْعَقْلِ ، وَقَدْ قَالُوْا : إِنَّهَا مُرَاعَاةٌ فِيْ كُلِّ مِلَّةٍ ۔ (الموافقات للشاطبي)

(۱۱)

مکالَمہ بابت

شخصی و مذہبی آزادی

اور

معاملات کی صفائی

کردار:

تمہید گزار: عبد العلیم

پیش کار: محمد جاوید

مدعی اول: مولانا زید راہی صاحب

مدعی علیہ اول: سیاسی لیڈر (ایکس وائی زیڈ)

وکیل استغاثہ اول: جناب گل زار صاحب

وکیل دفاع اول: گل عباس صاحب

جج صاحب: قاضی وجیہ الدین صاحب

مدعی ثانی: عام شہری (خالد صاحب ودیگر شہریان)

مدعی علیہ ثانی: اخبار ایڈیٹر (پی اے چھاجیڑ)

وکیل استغاثہ ثانی: جناب شمس الدین صاحب

وکیل دفاع ثانی: جناب قمر الدین صاحب

جج صاحب: قاضی وجیہ الدین صاحب

مدعی ثالث: میت کا بیٹا (حامد صاحب)

مدعی علیہ ثالث: میت کے دیگر بیٹے (شاہد، زاہد، راشد)

وکیل استغاثہ ثالث: جناب رکن الدین صاحب

وکیل دفاع ثالث: جناب فخر الدین صاحب

جج صاحب: قاضی وجیہ الدین صاحب

عدالتی ہدایات: محمد الیاس

مقاصدِ شریعت کی دفعاتِ خمسہ

///

(۱) حفاظتِ دین

(۲) حفاظتِ نفس

(۳) حفاظتِ نسل

(۴) حفاظتِ مال

(۵) حفاظتِ عقل

دفعاتِ ہند

///

(۱) دفعہ A153

(مذہب، زبان ونسل کی بنیاد پر نفرت پھیلانا، [۲/سال قید])

(۲) دفعہ 294

(مذہب ومقاماتِ مذہب کی توہین، [۲/سال سزا])

(۳) دفعہ A295

(کسی فرقے کے مذہب کی توہین یا اس مقدس مقام کی تنجیس)

(۴) دفعہ 500

(ہتکِ عزت، [۲/سال قید])

تمہید

محترم حاضرین ! مذہب دنیا کا سب سے توانا اور فطری جذبہ ہے، ہر الہامی مذہب، خواہ وہ کوئی بھی مذہب ہو؛ امن، سلامتی، برداشت اور احترامِ انسانیت کا درس دیتا ہے، دینِ اسلام تو ہے ہی سلامتی اور امن کا دوسرا نام، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملکِ عزیز کے آئین ودستور میں اُس کے ہر شہری کو شخصی ومذہبی آزادی حاصل ہے، اور اُسے نہ صرف اِس بات کی تلقین وتاکید کی گئی ہے، کہ وہ دستورِ ہند کا پاس ولحاظ رکھے، بل کہ وہ اس کا پابندِ عہد ہے،لیکن کچھ عرصے سے بعض ملک دشمن عناصر ہماری صدیوں پرانی، باہمی محبت واُلفت، اخوت وبھائی چارگی اور اتفاق واتحاد کو تباہ وبرباد کرکے، مذہبی،قومی اور گروہی بنیادوں پر،عصبیتوں اورنفرتوں کو ہوا دے کر، اپنے قومی، ذاتی، سیاسی اور گروہی مقاصد کو حاصل کرنے میں لگے ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے وطنِ عزیز کی جمہوریت وسالمیت، اور اُس میں بسنے والوں کو حاصل حقوق پر، خطرات کے بادل مَنڈلا رہے ہیں، اسی طرح ہمارا مسلم معاشرہ اسلامی تعلیمات وہدایات سے رُوگردانی کی وجہ سے، آپسی اختلاف وانتشار اور تنازعات وجھگڑوں کا شکار ہوتا جارہا ہے، اِنھی مسائل اور اُن کے حل پر مشتمل تین مقدمات، بعنوان؛ ''شخصی آزادی، مذہبی آزادی اور معامَلات کی صفائی''، آج کی اِس عدالت میں پیش ہوں گے۔

تو آیئے!......دیکھیے!......اور سنیئے!......کیا ہیں مسائل؟

اور کیسے ہوتا ہے اُن کا حل؟!

☆☆☆

(تمہید کے بعد متصلاً -نظم: ''حدوداللہ'' کا مندرجہ ذیل مصرعہ پیش کیا جائے!)

حدوداللہ،حدوداللہ......حدوداللہ،حدوداللہ

حدوداللہ،حدوداللہ......حدوداللہ،حدوداللہ

حدوداللہ کی حرمت،میرا دیں ہے میرا ایماں

حدوداللہ میرا قرآں،حدوداللہ میرا فرقاں!

حدوداللہ،حدوداللہ......حدوداللہ،حدوداللہ

حدوداللہ،حدوداللہ......حدوداللہ،حدوداللہ

☆☆☆

(پیش کار ''نظم'' کے فوراً بعد مندرجہ ذیل اعلان کرے گا!)

عدالت کی کارروائی شروع ہوتی ہے!

مقدمۂ اُولیٰ

شخصی آزادی

پیش کار: مقدمہ نمبر ایک کے مدعی ومدعی علیہ، اپنے وکیلِ استغاثہ ودفاع کے ساتھ عدالتِ عالیہ میں حاضر ہوں!!

وکیل استغاثہ اول – مع مدعی اول:

جناب جج صاحب! میرا مؤکل (زید) ایک عالمِ دین ہے، کتاب وسنت کا متبع ہے، ایک عظیم دینی وعصری ادارے کا بانی، ناظم ومہتمم ہے، اس کی زندگی دینی، اصلاحی، سماجی ورفاہی خدمات سے عبارت ہے، اس نے پورے ملک میں تعلیمی وانسانی خدمات کے جال پھیلا رکھا ہے، جس کی وجہ سے عوام کے دلوں میں اس کے لیے عقیدت واحترام کے جذبات پائے جاتے ہیں، اور اسے قبولیتِ عامہ حاصل ہے، اُس کی اِسی مقبولیت وشہرت سے جل بھُن کر علاقے کے، اِس ممبر آف اسمبلی نے اُن کے خلاف ایک بڑے مجمع میں یہ بیان دیا، کہ زید اپنے کاموں میں مخلص نہیں، اس کے تعلقات ملک دشمن عناصر سے ہیں، اور اس کے قائم کردہ اِداروں میں شدت پسندی ودہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، موصوف کے اِس بیان کو میڈیا نے بڑی سرخیوں میں شائع کیا، تفتیشی ایجنسیاں حرکت میں آگئیں، سب سے پہلے انہوں نے میرے مؤکل کو گرفتار کرکے، جیل بھیج دیا، اس کے بعد اس کے تعلیمی ورِفاہی اِداروں کے طلبہ وملازمین کو تفتیش کے

نام پر ہراساں کیا، غلط و بے بنیاد الزامات پر مبنی چارج شیٹ عدالت میں داخل کر کے، عدالت کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔لیکن اللہ بھلا کرے ہمارے دوست، ماہرِ قانون، وکیل ؛دیش پانڈے صاحب کا، کہ انہوں نے حق اور سچ کا ساتھ دیتے ہوئے، اس کیس کی انتہائی کامیاب پیروی کی، اوردس سال بعد ہمارے مؤکل ؛زید (عالم صاحب) کو۱۵/اپریل۲۰۱۶ءکوسیشن کورٹ نے باعزت بری کردیا۔

جناب جج صاحب! میرے مؤکل کو گرچہ باعزت بری کردیا گیا،لیکن دس سال کا ایک طویل عرصہ، جو انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے گزارنا پڑا،

کیاان کی زندگی کے اِس قیمتی عرصے کو دوبارہ لایا جاسکتا ہے؟

ان دس سالوں میں ان کی جو تعلیمی ورفاہی خدمات متأثر ہوئیں، کیا ان کا کوئی بدل ہوسکتا ہے؟

بلاوجہ ان کو جو ذہنی، جسمانی اذیتیں اور تکلیفیں دی گئیں اُن کا مداوا ممکن ہے؟

اُن کی غیر موجودگی میں ان کے بیوی بچوں اور متعلقین کے جو حقوق تلف ہوئے، اُن کی تلافی ممکن ہے؟

جب تک ان کی بے گناہی اور برأت عدالت کے ذریعے ظاہر نہیں ہوئی ، معاشرے میں اُن کی شبیہ مشکوک رہی ،جس کی وجہ سے ان کی عزت وشخصیت کو جو نقصان پہنچا، اُس کی بھرپائی ممکن ہے؟......ظاہر ہے یہ ممکن نہیں !

لہٰذا میں جج صاحب سے گزارش کرتا ہوں، کہ مقاصد شرعیہ کی دفعہ ۲/ (حفاظتِ نفس)، اور ملکی قانون کی دفعہ دوسو چورانوے (۲۹۴)، دفعہ چار سو ننانوے

(۴۹۹) اور دفعہ پانچ سو (۵۰۰) کے تحت مدعیٰ علیہ کی رکنیتِ اسمبلی ختم کردی جائے، اور انہیں ان کی اس غلط بیانی پر، جس کی وجہ سے میرے مؤکل کو اتنے سارے نقصانات پہنچے ہیں، کم از کم پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) روپئے ہرجانہ ادا کرنے کا حکم دیا جائے۔

وکیل دفاع اول – مع مدعی علیہ اول :

جناب جج صاحب !

میرا مؤکل ملک ہندوستان کی ریاست ’مہاراشٹر‘ کا ممبر اسمبلی ہے، ہمارا یہ ملک، جمہوری ملک ہے، اور یہاں کے ہر شہری کو آزادئ ضمیر، اور آزادئ اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے، اس نے اپنے اسی حق کا استعمال کرتے ہوئے، بعض شکوک وشبہات کی بنیاد پر مدعی کے خلاف یہ بیان دیا تھا، اور یہ ضابطہ ہے کہ ہر صاحبِ حق کو اپنے حق کے استعمال کی اجازت ہوتی ہے، اور اپنے حق کا استعمال جرم نہیں ہوتا، لہٰذا وکیلِ استغاثہ کے مطالبات ملکی دستور وقانون کے خلاف ہیں، اور میرے مؤکل کو نہ تو اسمبلی کی رکنیت سے معطل کیا جاسکتا ہے، اور نہ اس پر ہرجانہ عائد کیا جاسکتا ہے، مجھے آپ کی ذات سے پوری امید ہے، کہ آپ قانون کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، میرے مؤکل کو بے گناہ قرار دیں گے۔

وکیل استغاثہ اول:

جناب جج صاحب! وکیل دفاع کا یہ کہنا، کہ اُن کے مؤکل کو دستورِ ہند کی دفعہ انیس (۱۹) کے تحت آزادئ ضمیر اور آزادئ اظہارِ رائے کا حق حاصل

ہے، بالکل صحیح بات ہے،لیکن اس کا یہ مطلب ہرگزنہیں کہ آپ اپنے حق کو اس طرح استعمال کریں،جس سے کسی دوسری شخصیت کی عزت وآبرو داغ دار ہو،اور اُسے سنگین مسائل سے دوچار ہونا پڑے، اس لیے کہ شریعتِ اسلامی کا مزاج ہے: ”لِكُلِّ صَاحِبِ حَقٍّ أَنْ يَّسْتَوْفِيَ حَقَّهُ إِلَّا بِشَرْطِ السَّلَامَةِ“ — کہ ہرصاحبِ حق کو، اپنے حق کی وصولی کا اختیار ہے،مگر بشرطِ سلامتی، اس لیے وکیلِ دفاع کا یہ استدلال بالکل غلط اور بے جا ہے۔

جج صاحب :

طرفین کے دلائل کی سماعت کے بعد،عدالت اِس نتیجے پر پہنچی ہے کہ مدعیٰ علیہ نے واقعۃً مدعی پرظلم وزیادتی کی، اس پر بے بنیاد الزامات لگا کر اسے جیل بھجوایا، جس کے نتیجے میں اس کی عمرِ عزیز کا ایک بڑا حصہ یوں ہی برباد ہوگیا،اس کی ذہنی وجسمانی تکلیفوں کا سبب بنا،سماج ومعاشرہ، اعزہ واقارب اور اس کے متعلقین میں اس کی عزت وآبرو کو مجروح کیا،اوراس کے جیل میں پڑے رہنے کی وجہ سے ایک طویل مدت تک ان تمام لوگوں کے حقوق متاثر ہوئے ، جو اس کی ذات سے متعلق تھے۔اس لیے عدالت:تعزیراً، وبطورِسزا، مدعیٰ علیہ کی اسمبلی کی رکنیت ختم کرتی ہے،اور مقاصدِ شرعیہ کی دفعہ۲/ (حفاظتِ نفس)،اورتعزیراتِ ہند کی دفعہ چارسو ننانوے (۴۹۹) ، اور دفعہ پانچ سو (۵۰۰) کے تحت اس پر پانچ لاکھ (۵۰۰۰۰۰) کا ہرجانہ واجب کرتی ہے۔

OoOoOoOoOoO

مقدمۂ ثانیہ

مذہبی آزادی

پیش کار: مقدمہ نمبر دو کے مدعی ومدعیٰ علیہ، اپنے وکیلِ استغاثہ ودفاع کے ساتھ عدالتِ عالیہ میں حاضر ہوں!

وکیل استغاثہ ثانی – مع مدعی ثانی :

جناب جج صاحب! میرے مؤکل: خالد صاحب ایک مسلمان ہیں، مسلمان خدائی کتاب: قرآنِ کریم اور اسلام کے آخری پیغمبر، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر نہ صرف ایمان رکھتا ہے، بلکہ اس کا یہ عقیدہ ہے کہ کتاب وسنت اور پیغمبر علیہ السلام کی عزیز ذات، اس کے نزدیک اپنی جان ومال سے زیادہ عزیز ہے، اور وہ اپنی اس مذہبی کتاب اور پیغمبر کی شان میں کسی قسم کی کوئی گستاخی برداشت نہیں کرسکتا، اور مدعیٰ علیہ: پی اے چھاجیڑ (PA CHAJED) نے اپنے اخبار: دَ لیٹیسٹ نیوز (The Latest News) کے اداریے میں خدائی کتاب، اور پیغمبر علیہ السلام کی شان میں گستاخی کی، مذہبِ اسلام جو امن وآشتی کا مذہب ہے، اُسے شدت پسندی ودہشت گردی کا مذہب لکھا، اور مسلمانوں کے خلاف نازیبا کلمات لکھ کر، نہ صرف اُن کے مذہبی جذبات کو مجروح کیا، بلکہ دستورِ ہند کے باب نمبر سات (۷) کی دفعہ اٹھارہ (۱۸) کی دھجیاں بکھیر دی، اور اپنے اداریے میں ایسی زہرافشانی کی، جس سے بقائے باہمی اور سماجی ہم آہنگی پر

منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

لہٰذا میں عدالتِ عالیہ سے درخواست کرتا ہوں، کہ مقاصدِ شرعیہ کی دفعہ ا/ (حفاظتِ دین) کے تحت، اُس کے اخبار کی اشاعت بند کردی جائے، اس کا رجسٹریشن منسوخ کر دیا جائے،اورتعزیراتِ ہند کی دفعہ ایک سو ترپن (۱۵۳)، دوسو پچانوے (۲۹۵) اور دفعہ چار سو ننانوے (۴۹۹) کے تحت، تین سال کی قید اور جرمانہ عائد کیا جائے، تاکہ دوسرا کوئی ایڈیٹر اور صحافی اس طرح کی جرأت نہ کر سکے۔

وکیل دفاع ثانی – مع مدعی علیہ ثانی :

محترم جج صاحب ! وکیلِ استغاثہ کی ایل ایل بی (LLB) کی ڈگری منسوخ کر دیجیے، انہیں دوبارہ وکالت پڑھنے کا حکم کیجیے، اس لیے کہ انہیں یہ تک معلوم نہیں ہے کہ اس آزاد و جمہوری ملک میں اس کے ہر شہری کو، دستورِ ہند کی دفعہ اُنیس (۱۹) کے تحت، تقریر، تحریر اور اظہارِ رائے کی آزادی حاصل ہے، اور ہر حق دار اپنے حق کو استعمال کر سکتا ہے، اور اپنے حق کے استعمال پر اُسے مجرم گردانا خود ایک جرم ہے، میرے مؤکل نے بھی، اپنے اسی حق کو استعمال کرتے ہوئے، اسلام ،پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق جو باتیں اس کے ضمیر میں تھیں، انہیں نوکِ قلم پر لا کر صفحاتِ اخبار پر بکھیر دیا، اسے اس کے اس فعل پر مجرم قرار دینا، ایسا ہی ہوگا جیسے کسی شادی شدہ فرد کو اپنی بیگم کے ساتھ گھر سے باہر نکلنے پر اس لیے مجرم قرار دینا، کہ اس کی وجہ سے غیر شادی شدہ افراد کے دل دکھ جاتے ہیں، اور انہیں اپنی محرومیِ قسمت کا صدمہ پہنچتا ہے، اور ظاہر ہے؛ یہ بات انتہائی نامعقول ہے۔

لہٰذا میں جج صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے مؤکل؛ پی اے چھاجیڑ (P.A. CHAJED) کو، ان پر لگے الزامات سے بری کر دیں، اور مدعی نے چوں کہ خوامخواہ میرے مؤکل کو عدالت کے چکر کٹوا کر، اُن کا وقت اور مال ضائع کیا، انہیں ذہنی وجسمانی تکلیف پہنچائی، اس لیے ملکی قانون کی دفعہ پانچ سو (۵۰۰) کے تحت، اس پر ضمان وتاوان بھی لازم کیا جائے، تاکہ آئندہ کوئی بھی شخص پیشۂ صحافت سے جڑے افراد پر، اس طرح کا کوئی مقدمہ دائر نہ کر سکے، اور حقِ آزادیٔ رائے کا تحفظ ہو سکے۔

جج صاحب:

فریقین کے دلائل کی سماعت کے بعد عدالت؛ مقاصد شرعیہ کی دفعہ ۲/ (حفاظتِ نفس)، دفعہ ۴/ (حفاظتِ مال)، دفعہ ۵/ (حفاظتِ عقل) کے تحت ملزم پی اے چھاجیڑ (P.A. CHAJED) کے اخبار؛ دَلیٹیسٹ نیوز (The Latest News) کی اشاعت پر، تین سال کی پابندی عائد کرتی ہے، اور اس مدت تک اس کے رجسٹریشن کو منسوخ کرتی ہے، اور ملکی قانون آئی پی سی (IPC) کی دفعہ ایک سو ترپن (۱۵۳)، دفعہ دو سو پچانوے (۲۹۵) اور دفعہ چار سو ننانوے (۴۹۹) کے تحت، مجرم قرار دیتے ہوئے، اسے تین سال کی قید اور پچاس ہزار (۵۰۰۰۰) روپئے جرمانہ کی سزا سناتی ہے۔

OoOoOoOoOoO

مقدمۂ ثالثہ

معاملات کی صفائی

پیش کار: مقدمہ نمبر تین کے مدعی ومدعیٰ علیہ اپنے وکیلِ استغاثہ ودفاع کے ساتھ عدالتِ عالیہ میں حاضر ہوں!

وکیل استغاثہ ثالث – مع مدعی ثالث :

جناب جج صاحب! میرے مؤکل حامد اور اس کے تمام بھائی اپنے والد کے ساتھ رہ رہے تھے، یہ خاندان متوسط آمدنی والے طبقہ میں ہے، اللہ رب العزت نے اس خاندان پر کرم فرمایا، اور اس کے ایک چشم وچراغ میرے مؤکل؛ حامد میاں کو آئی پی ایس (IPS) اِکزام میں کامیابی عطا کی، وہ کلیکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے، اچھی خاصی تن خواہ پانے لگ گئے، جب والد صاحب نے اپنے پرانے مکان کو منہدم کرکے، ازسرِنو اس کی تعمیر کا آغاز کیا، تو بیٹے حامد نے ایک موٹی رقم والد مرحوم کی خدمت میں پیش کی، اور ایک شان دار مکان بن کر تیار ہوگیا، جس میں تمام بھائی اپنی فیملیوں کے ساتھ رہائش پذیر ہوگئے۔

چند سالوں بعد والد محترم اس دنیا سے رخصت ہوگئے، تو والدہ نے اپنی محبت، شفقت اور حسنِ تدبیر کے ساتھ اپنے تمام بچوں کو سمیٹے رکھا، اور تاحیات خاندان کو منتشر نہیں ہونے دیا، آخر کچھ سالوں کے بعد وہ بھی اس دنیا کو الوداع کہہ گئیں، اور ان کے بعد تقسیمِ مکان کو لے کر بیٹوں میں اختلافات پیدا ہوگئے، میرے

مؤکل؛ حامد کا کہنا ہے کہ اس مکان میں میرا حصہ زیادہ ہے، کیوں کہ میں نے والد صاحب کو اس مکان کی تعمیر میں ایک بڑی رقم دی تھی، اور دیگر اولاد یہ کہتی ہے کہ ہم نے والدین اور ان کے کاروبار کو سنبھالا، کاروبار کو ترقی دی، والدین کی خدمت کی، اگر تمہیں اس مکان میں زیادہ حصہ چاہیے، تو پھر والد کے کاروبار میں تمہیں اپنے حصے سے دست بردار ہونا پڑے گا، کیوں کہ کاروبار کو بامِ عروج پر ہم نے پہنچایا، آپ تو آرام سے گورنمنٹ کی اے سی آفس میں بیٹھے حکومت کرتے رہے۔

جناب جج صاحب! میں آپ سے گزارش کرتا ہوں، کہ آپ میرے مؤکل؛ حامد صاحب کو، ان کے والد کے کاروبار، اور مکان میں ان کا واجب حصہ دلا کر انصاف فرمائیں!

وکیل دفاع ثالث - مع مدعی علیہ ثالث :

جناب جج صاحب! میرے مؤکل (شاہد، زاہد، راشد) ایک جوائنٹ فیملی کے افراد ہیں، اور آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جوائنٹ فیملی میں تمام آمدنی اور اخراجات مشترکہ ہوتے ہیں، تمام افراد باپ کے مکان اور کاروبار میں برابر کے شریک ہوتے ہیں، کسی کے کم اور کسی کے زیادہ کمانے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، باپ خاندان کا سربراہ ہوتا ہے، اس کے انتقال کے بعد اس کی تمام جائداد، اُس کے وارثین کے مابین حصصِ شرعیہ کے مطابق تقسیم ہوتی ہے، تو پھر مدعی کا اپنے حصہ ٔشرعی سے زیادہ مانگنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے؟ اس کا دعویٰ شرعاً وعقلاً صحیح ودرست نہیں ہے، لہٰذا مجھے امید ہے کہ آں جناب، عقل وشرع کے تقاضوں کے

مطابق، مدعی کے دعوے کو خارج کرتے ہوئے، تمام وارثوں کے درمیان ان کے والد کی جائداد، حسبِ حصصِ شرعیہ برابر تقسیم فرمائیں گے!

جج صاحب:

وکیلِ استغاثہ اور وکیلِ دفاع؛ دونوں کی بحث کو سن کر، عدالت اِس نتیجے پر پہنچی کہ مرحوم زید اور اُن کی تمام اولاد ایک جوائنٹ فیملی کے طور پر رہ رہے تھے، تمام کاروبار اور آمدنیاں مشترک تھیں، اور تمام اولاد مرحوم کے زیر کفالت تھیں، لہٰذا حامد کا اپنے والد کے مکان میں زائد حصہ مانگنا شرعاً وعقلاً درست نہیں، رہی یہ بات کہ حامد نے اپنی تن خواہ میں سے ایک بڑی رقم مکان کی تعمیر کے لیے دی تھی، اس لیے اس کا حصہ زیادہ ہونا چاہیے، تو یہ درست نہیں ہے، کیوں کہ حامد نے اپنے والد کو یہ رقم جس وقت پیش کی تھی، اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی تھی، کہ یہ رقم وہ بطورِ قرض دے رہا ہے، یا بطورِ شرکت؟ اگر یہ وضاحت ہوتی کہ وہ یہ رقم بطورِ قرض دے رہا ہے، تو اس صورت میں وہ اتنی رقم کی واپسی کا حق دار ہوتا، جیسا کہ ''ردالمحتار: ۵/ ۶۷۵'' کی عبارت: '' إنَّ الدُّیُوْنَ تُقْضٰی بِأَمْثَالِهَا '' سے ثابت ہوتا ہے۔

اور اگر یہ وضاحت ہوتی، کہ وہ یہ رقم بطورِ شرکت دے رہا ہے، تو اس صورت میں مکان کی قیمت بڑھنے کے ساتھ ساتھ، اس کے حصے کی مالیت میں بھی اضافہ ہوتا، اور وہ اس کا حق دار ہوتا، جیسا کہ ''فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ۳۰۲'' کی عبارت:

''أَمَّا الشِّرْکَةُ بِالْمَالِ فَهِيَ أَنْ یَشْتَرِکَ اِثْنَانِ فِيْ رَأْسِ مَالٍ فَیَقُوْلَانِ :

اشْتَرَكْنَا فِيهِ عَلٰى أَنْ نَشْتَرِيَ وَنَبِيعَ مَعًا أَوْ شَتّٰى أَوْ أَطْلَقَا عَلٰى أَنَّ مَا رَزَقَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْ رِبْحٍ فَهُوَ بَيْنَنَا عَلٰى شَرْطِ كَذَا ، أَوْ يَقُوْلَ أَحَدُهُمَا ذٰلِكَ ، وَيَقُوْلُ الآخَرُ نَعَمْ . كَذَا فِي الْبَدَائِع" . سے واضح ہوتا ہے۔

لیکن یہاں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا، اور ظاہر یہی ہے کہ اس نے یہ رقم اپنے والد کو بطورِ ہدیہ وتعاون دی تھی، اور فقہ کا قاعدہ ہے: "الأَصْلُ أَنَّ مَنْ سَاعَدَهُ الظَّاهِرُ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ". (أصولُ الكَرخِي ، مادة :۳) — لہٰذا ظاہر کو بنیاد بنا کر عدالت یہ فیصلہ کرتی ہے کہ پورا مکان والد ہی کی ملک ہے، اور اس میں تمام اولاد اپنے حصصِ شرعیہ کے مطابق حق دار ہے، اور حامد کا اپنے حصے سے زائد کا مطالبہ شرعاً وعقلاً درست نہیں ہے۔

OoOoOoOoO

عدالتی ہدایات

محترم حاضرین! مقدمات اور اُن کے فیصلوں کو سننے کے بعد یقیناً آپ سمجھ چکے ہوں گے، کہ اس طرح کے جھگڑے کیوں پیش آتے ہیں؟

مقدمہ نمبر ایک: اس لیے پیش آیا کہ مدعیٰ علیہ نے محض شکوک وشبہات اور بہتان کی بنیاد پر مدعی کے خلاف بیان دیا، جب کہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ جب تک کہ کسی امر کی پوری حقیقت اور اس کی سچائیت سے واقفیت نہ ہو، کسی کے خلاف کوئی بات نہیں کہنا چاہیے، خاص طور پر جب اُس امر وخبر سے کسی کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہو، اس لیے کہ دنیا میں بہت سارے جھگڑے اور واقعات غلط بیانی، غلط اطلاع اور غلط چغلی کھانے کی وجہ سے رونما ہوتے ہیں، اور جس قوم و فرد کے متعلق غلط بیانی وغلط اطلاع سے کام لیا جاتا ہے، حقیقتِ حال کے واضح ہوجانے تک وہ بڑے نقصانوں اور تکلیفوں سے دوچار ہوجاتا ہے، پھر حقیقت کے واضح ہوجانے کے بعد، اپنی غلط بیانی پر شرمندگی وپشیمانی ہوتی ہے، لیکن اس سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، اور اس شرمندگی وپشیمانی پر یہ مثل صادق آتی ہے:

"چوں تریاق از عراق آوُردہ شود مار گزیدہ مُردہ شود"

(عراق سے تریاق آنے تک سانپ کاٹے شخص کی جان چلی جاتی ہے)

(مستفاد از توضیح القرآن وتفسیر محمود)

اسی لیے اللہ رب العزت کا فرمان ہے:﴿إِنْ جَآءَ كُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ

فَتَبَيَّنُوْا﴾. ’’اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے، تو اچھی طرح تحقیق کرلیا کرو۔‘‘ (سورة الحجرات: ٦)

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ’’كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ‘‘. ’’آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے، کہ وہ سنی سنائی بات بیان کردے۔‘‘ (صحیح مسلم: حدیث: ۷)

مقدمہ نمبر دو: اس لیے پیش آیا، کہ مدعیٰ علیہ نے دستورِ ہند کی دفعہ ۲۵ر -جس کے تحت ہر ہندوستانی کو آزادیٔ ضمیر و مذہب حاصل ہے- کا پاس ولحاظ نہیں رکھا، اور آئی پی سی (IPC) کی دفعہ ۲۹۵ر کی خلاف ورزی کی، حالاں کہ ہم سب کے ہندوستانی ہونے کا تقاضا یہ ہے، کہ ہم ایک دوسرے کے مذہب اور اُن کے پیشواؤں کا احترام کریں، تقریر وتحریر میں ایسی زبان استعمال نہ کریں، جس سے امنِ عامہ پر زد پڑتی ہو، ہماری قدیم گنگا جمنی تہذیب متاثر ہوتی ہو، فرقہ واریت اور عدمِ رواداری کو ہوا ملتی ہو، ملک کی سالمیت واتحاد کو خطرات لاحق ہوتے ہوں، اور ملک دشمن عناصر کو تقویت پہنچتی ہو، اس لیے کہ باہمی اخوت وبھائی چارگی، اتحاد واتفاق اور امن وامان کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، اس کے بغیر کوئی ملک ترقی کی منزلیں طے نہیں کرسکتا۔

خود اسلام نے بھی مسلمانوں کو، دیگر مذاہب کے احترام اور اُن کے ماننے والوں کے ساتھ، رواداری کا حکم دیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾.

”(مسلمانو!)جن (جھوٹے معبودوں) کو یہ لوگ اللہ کے بجائے پکارتے ہیں، تم اُن کو بُرا نہ کہو،جس کے نتیجے میں یہ لوگ جہالت کے عالم میں حد سے آگے بڑھ کراللہ کو بُرا کہنے لگیں۔“ (سورۂ انعام:۱۰۸)

☆اس آیت میں مسلمانوں کوہدایت دی گئی ہے، کہ وہ کافروں کے سامنے اُن کے معبودوں کے لیے نازیبا الفاظ استعمال نہ کیا کریں،اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ کافرلوگ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرسکتے ہیں،اگر انہوں نے ایسا کیا،تواس کا سبب تم بنوگے،اورجس طرح اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرناحرام ہے،اسی طرح اس کا سبب بننا بھی ناجائز ہے۔

اِس آیت سے فقہائے کرام نے یہ اصول نکالا ہے، کہ اگرکوئی کام بذاتِ خودتو جائز یامستحب ہو،لیکن اندیشہ ہو کہ اس کے نتیجے میں کوئی دوسرا شخص گناہ کا ارتِکاب کرے گا،تو ایسی صورت میں وہ جائز یامستحب کام چھوڑ دینا چاہیے،تاہم اِس اصول کے تحت کوئی ایسا کام چھوڑنا جائزنہیں ہے، جوفرض یاواجب ہو۔

(توضیح القرآن:ص/۳۰۲)

مقدمہ نمبر تین: اس لیے پیش آیا، کہ ہم مسلمانوں نے اپنے دین کی ایک انتہائی زرّین تعلیم:

”تَعَاشَرُوْا کَالإِخْوَانِ وَتَعَامَلُوْا کَالأَجَانِبِ“ .

”آپس میں رہو بھائیوں کی طرح،لیکن لین دین کے معاملات اجنبیوں کی طرح کرو“......کونظرانداز کردیا۔

اِس تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ روزِمرہ کی زندگی میں، ہم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں، جیسے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ کیا کرتا ہے، کہ آپس میں ایثار، مروّت، رَواداری، تحمل اور اپنائیت کا مظاہرہ ہو، لیکن جب روپے پیسے کے لین دین، جائداد کے معاملات اور شرکت وحصہ داری کا مسئلہ آجائے، تو اسے اس طرح انجام دے، جیسے دو اجنبی شخص انجام دیا کرتے ہیں، یعنی معاملے کی ہر بات صاف صاف ہو، اُس میں کوئی اِبہام باقی نہ رہے، ورنہ ایک وقت ایسا آجاتا ہے، کہ معاملات کی ڈور اُلجھ کر اتنی پیچیدہ ہو چکی ہوتی ہے، کہ منصفانہ تصفیہ کے لیے اُس کا سِرا پکڑنا مشکل ہو جاتا ہے، اور ہر شخص واقعات کو اپنے مفاد کی عینک سے دیکھتا ہے، اور مُصالحت کا کوئی ایسا فارمولہ وضع کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے، جو تمام متعلقہ فریقوں کے لیے قابلِ قبول ہو، اس لیے جب بھی کسی سے، کوئی بھی معاملہ کیا جائے، اِس بات کا خیال رکھا جائے، کہ اُس کی ہر ہر بات صاف ہو، اور اُس میں کوئی اِبہام نہ ہو۔ وفقنا اللہ لما یحب ویرضی!

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم! وتب علینا اِنک أنت التواب الرحیم!

آمین یارب العالمین!

پیش کار:

آج کی یہ عدالتی نشست برخاست ہوتی ہے!

یادداشت